جبسیات

ظفر علی خان

○

مکتبۂ کارواں ○ کچہری روڈ ○ لاہور

جلسیات

طابع : چودھری عبدالحمید

مطبع : اُردو پریس لاہور

قیمت : دو روپے

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلسیات

حمدِ ذوالجلال

پہنچتا ہے ہر اک مے کش کے آگے دورِ جام اُس کا
کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطفِ عام اُس کا

گواہی دے رہی ہے اس کی یکتائی پہ ذات اُس کی
دُوئی کے نقش سب جھوٹے ہیں سچا ایک نام اُس کا

ہر اک ذرّہ فضا کا داستاں اُس کی سناتا ہے
ہر اک جھونکا ہوا کا آ کے دیتا ہے پیام اُس کا

نظام اپنا لئے پھرتا ہے کیا خورشیدِ نور افشاں
ہزاروں ایسی دنیاؤں کو شامل ہے نظام اُس کا

میں اُس کو کعبہ و بت خانہ میں کیوں ڈھونڈھنے جاؤں
مرے ٹوٹے ہوئے دل ہی کے اندر ہے مقام اُس کا

سراپا معصیت میں ہوں، سراپا مغفرت وہ ہے
خطا کوشی روش میری خطا پوشی ہے کام اُس کا

مری اُفتادگی بھی میرے حق میں اُس کی رحمت تھی
کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تھام اُس کا

وہ خود بھی بے نشاں ہے زخم بھی ہیں بے نشاں اُس کے
دیا ہے اُس نے جو چرکا نہیں ہے التیام اُس کا

عبودیت کو بھی کیا کیا مدارج اُس نے بخشے ہیں
جہاں میں بن کے آتا ہے رسُول اُس کا غلام اُس کا

ہوئی ختم اُس کی حجت اس زمیں کے بسنے والوں پہ
کہ پہنچایا ہے ان سب تک محمدؐ نے کلام اُس کا

بجھاتے ہی رہے پھونکوں سے کافر اس کو رہ رہ کر — مگر نور اپنی ساعت پر رہا ہو کر تمام اُس کا

نہ جا اُس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اُس کی

ڈر اُس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

○

مُناجات

الٰہی برقِ غیرت کی تڑپ مجھ کو عطا کر دے — مجھے آتش زیرِ پا کو ساتھ ہی آتش نوا کر دے

مری تقریرِ سحر آلود میں کر دے اثر پیدا — کہ اہلِ درد کے حلقوں میں اک محشر بپا کر دے

دیا ہے علم اگر تُو نے تو ساتھ اس کے عمل بھی ہو — کہ شرحِ لیس للانسان الّا ما سعیٰ کر دے

بتا دوں گا کہ خاکِ ہند یُوں اکسیر بنتی ہے — مری پلکوں کو جاروبِ حریمِ مصطفیٰؐ کر دے

تمھارا قافلہ کچھ لُٹ چکا اور کچھ ہے لٹنے کو

رسُول اللہ کو اس کی خبر بادِ صبا کر دے

جو مسلم ہے تو جاں ناموسِ ملّت پر فدا کر دے — خُدا کا فرض اور اُس کے نبیؐ کا فرض ادا کر دے

بھری محفل میں لا سکتا نہ ہو گر کفر تاب اُس کی — تو زنداں ہی میں جا کر روشن ایماں کا دیا کر دے

شہادت کی تمنا ہو تو انگریزی حکومت پر — کسی مجلس کے اندر نکتہ چینی برملا کر دے

ضرورت ہے اب اُس ایجاد کی دانائے مغرب کو — جو اہلِ ہند کے دامن کو چولی سے جُدا کر دے

نکل آنے کو ہے سُورج کہ مشرق میں اُجالا ہو — برس جانے کو ہے بادل کہ گلشن کو ہرا کر دے

قفس کی تیلیوں پہ آشیاں کا کاٹ کر چکر — فلک سے گر پڑے بجلی کہ بُلبل کو رہا کر دے

یہ ہے پہچان خاصانِ خُدا کی ہر زمانہ میں

کہ خوش ہو کر خُدا اُن کو گرفتارِ بلا کر دے

لَیسَ کَمِثلِہٖ شَیٔ

وہ جس کی شان ہے لَیسَ کَمِثلِہٖ شَیٔ — چھپا بھی ہے تو سراپردۂ ظہور میں ہے
بہ رنگِ دورِ قمر جلوہ اُس کی قدرت کا — کبھی سنین میں ہے اور کبھی شہور میں ہے
کبھی کبھی ہے وہ اوجِ شعیبؑ پر تاباں — کبھی کبھی وہ خراماں سوادِ طور میں ہے
کہیں فسانہ وہ یعقوبؑ کا ہے کنعاں میں — کہیں ترانہ وہ داؤدؑ کا زبور میں ہے
شرارِ جستہ کی شکل اُس کے وہم کا پرتو — تڑپ رہا مری خاکسترِ شعور میں ہے

جو اُس کو صورتِ اصلی میں دیکھنا چاہو
محمدِ عربی کی جبیں کے نور میں ہے

○
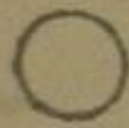
پیغامِ جبریلؑ

اِن ہُوَ اِلّا وَحیٌ یُوحیٰ جس کی شان میں آیا ہے — رحمتِ عالم ہو کے اک اُمّی اُس مکتوب کو لایا ہے
منکشف اس نے کر دیئے سارے عَلَّمَ الاَسمآءَ کے رموز — جن کو سمجھ کر خاک کے آگے قدس نے سر نیوڑایا ہے
جآءَ الحَقُّ وَزَہَقَ البَاطِلُ اس کی زباں پہ آتے ہی — کفر کے بُرج سرِ افلاک پہ پرچمِ دین لہرایا ہے
اِنَّ البَاطِلَ کَانَ زَہُوقاً کہہ کے دیا ہے حق کو فروغ — بڑھ کے یہ افسوں منہ کے بل اُس نے لات و ہبل کو گرایا ہے
بُت کی خدائی لے گئی تھی ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالمَطلُوبُ — بالِ مگس سے نقشۂ توحید اُس نے نیا کھنچوایا ہے
موت سے اُس نے زیست نکالی زیست کو آب و رنگ دیا — قطرے سے قلزم ریتے سے گلشن پیدا کر کے دکھایا ہے
دامنِ صحرا پہ بھی گماں تھا آنکھ کو دامنِ گلچیں کا — سارے جہاں پر اس نے جب اپنا ابرِ کرم برسایا ہے
جن کے مقدر میں تھی غلامی اُس نے اُنھیں آزاد کیا — نوعِ بشر کی لوحِ جبیں سے اس نے یہ داغ مٹایا ہے
ابیض و اسود احمر و اصفر عالی و دانی خورد و بزرگ — سب کا بنا کر ایک ہی کنبہ ایک ہی گھر میں بسایا ہے

سطوتِ سنجر، حشمتِ خاقاں، صولتِ بہمن، دولتِ جم
ملتی ہے کیونکر، اُس نے یہ نکتہ دیدہ وروں کو سمجھایا ہے

خُمِ فلاطوں خشک پڑا ہے ساغرِ جم میں بُوند نہیں
تا بہ ابد وہ جام چلے گا اُس نے جسے چھلکایا ہے

کون و مکاں سے آج تک اُس کا جلوہ سمیٹا جا نہ سکا
اک فقط انسان ہی کا ہے سینہ جس میں یہ نُور سمایا ہے

○

موجِ نُور

توحید کے ترانہ کی تانیں اُڑائے جا
مطرب تمام رات یہی نغمہ گائے جا

ہر نغمہ سے خلا میں مَلا کو ملائے جا
ہر زمزمہ سے نُور کے دریا بہائے جا

ایک ایک تیری تال پہ سر جھومنے لگیں
ایک ایک سُر سے چوٹ جگر پر لگائے جا

ہر زیر و بم سے کر تہ و بالا دماغ کو
ہر کٹکری سے پیچ دلوں کے گھمائے جا

ناسوتیوں سے چھین کے صبر و قرار و ہوش
لاہوتیوں کو وجد کے عالم میں لائے جا

تڑپا چکیں جنھیں تری رنگیں نوائیاں
اُن کو یہ چند شعر مرے بھی سُنائے جا

اے رہ نوردِ مرحلۂ ہفت خوانِ عشق
اس مرحلہ میں ہر قدم آگے بڑھائے جا

خاطر میں لا نہ اس کے نشیب و فراز کو
جو سختیاں بھی راہ میں آئیں اُٹھائے جا

رکھتا ہے لاکھ سر بھی اگر اپنے دوش پر
نامِ محمدِ عربی پر کٹائے جا

وہ زخم چُن لیا ہے جنھیں کشتِ غیر نے
حصّے میں تیرے آئیں تو چھپ کے کھائے جا

چھلکائے جا پیالہ شرابِ حجاز کا
دو چار گھونٹ اس کے ہمیں بھی پلائے جا

سر پہ اگر ہو تاج تو ہو دوش پر گلیم
دُنیا کو شان یثربیوں کی دکھائے جا

رکھ مسندِ رسولؐ کی عزّت کو برقرار
عثمان کے ہلال کا پرچم اُڑائے جا

صاحبِ قابَ قوسین اَو اَدنیٰ

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمھیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دُنیا تمھیں تو ہو

پھُوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے
اُس نورِ اولیں کا اُجالا تمھیں تو ہو

سب کچھ تمھارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمھیں تو ہو

اِس محفلِ شہود کی رونق تمھیں سے ہے
اِس محملِ نمود کی لیلےٰ تمھیں تو ہو

جلتے ہیں جبرئیل کے پر جس مقام پر
اُس کی حقیقتوں کے شناسا تمھیں تو ہو

جو ماسوا کی حد سے بھی آگے گزر گیا
اے رہ نوردِ جادۂ اسریٰ تمھیں تو ہو

پیتے ہی جس کے زندگیِ جاوداں ملی
اُس جانفزا زلال کے مینا تمھیں تو ہو

اُٹھ اُٹھ کے لے رہا ہے جو پہلو میں چٹکیاں
وہ دردِ دل میں کر گئے پیدا تمھیں تو ہو

دُنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے
جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمھیں تو ہو

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدارِ یثرب و بطحا تمھیں تو ہو

بپتا سُنائیں جا کے تمھارے سوا کسے
ہم بیکسانِ ہند کے ملجا تمھیں تو ہو

چڑھی ندّی کی ایک موج

مغلوب ہُوئی رائے پتھورا کی اگر فوج
تھا اس میں خطاوار نہ جے چند نہ قنوج

یہ فوج کسی اور ہی طاقت سے ہُوئی پست
غوری کو کسی اور ہی طاقت نے دیا اوج

یہ فتح تھی اسلام کے خونیں کفنوں کی
توحید کے چڑھتے ہوئے دریا کی تھی اک موج

فریادِ بحضورِ سرورِ کونین

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب — صبحِ ازل ہے تیری تجلّی سے فیض یاب
زینت ازل کی ہے تو ہے رونق ابد کی تو — دونوں ہیں جلوہ ریز ہے تیرا ہی رنگ و آب
چوما ہے قدسیوں نے ترے آستانہ کو — تھامی ہے آسماں نے جھک کر تری رکاب
شایاں ہے تجھ کو سرورِ کونین کا لقب — نازاں ہے تجھ پہ رحمتِ دارین کا خطاب
برسا ہے شرق و غرب پہ ابرِ کرم ترا — آدم کی نسل پر ترے احساں ہیں بے حساب
پیدا ہوئی نہ تیری مواخات کی نظیر — لایا نہ کوئی تیری مساوات کا جواب
خیر البشر ہے تو تو ہے خیر الامم وہ قوم — جس کو ہے تیری ذاتِ گرامی سے انتساب
لیکن یہ قوم آج زمانہ میں ہے ذلیل — حالانکہ تھی تمام زمانہ کا انتخاب
مغرب کی دستبرد سے مشرق ہوا تباہ — ایماں کا خانہ کفر کے ہاتھوں ہوا خراب
صدہا ترے غلام نصاریٰ کی قید میں — دن زندگی کے کاٹ رہے ہیں بصد عذاب
دُنیا کے گوشہ گوشہ میں ہے گرچہ آج کل — اُمت تری رہینِ ستم ہائے بے حساب
پھر بھی ہے اُس کو لاج ترے نامِ پاک کی — پروانہ وار جس پہ تصدق ہیں شیخ و شاب
ہے اُن کے ایک ہاتھ میں سیفِ یداللّٰہی — اور دوسرے میں ہے تری لائی ہوئی کتاب
یوں کفر کے ہجوم پہ گرتے ہیں ٹوٹ کر — شیطاں پہ آسماں سے گرے جس طرح شہاب
چہرے پہ زخم کھائے مگر مُنہ نہ پھر سکا — گلگونۂ عذار ہے اندیشۂ عقاب
باور نہ تجھ کو آئے تو ہندوستاں میں آ — اور دیکھ لے اُلٹ کے ملیبار کا نقاب
اے قبلۂ دو عالم و اے کعبۂ دو کون — تیری دُعا ہے حضرتِ باری میں مستجاب
یثرب کے سبز پردے سے باہر نکال کر — دونوں دُعا کے ہاتھ بصد کرب و اضطراب
حق سے یہ عرض کر کہ ترے ناسزا غلام — عقبیٰ میں سرخرو ہوں تو دنیا میں کامیاب

شمعِ حرا

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دُنیا کے درباروں میں

رحمت کی گھٹائیں پھیل گئیں افلاک کے گنبدِ گُنبد پر
وحدت کی تجلی کوند گئی آفاق کے سیناذاروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نُور نہ ہو سیّاروں میں

جو فلسفیوں سے کُھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہُوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بُوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبیؐ کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

جس میکدہ کی اک بوند سے بھی لب کج کلہوں کے تر نہ ہوئے
ہیں آج بھی ہم بے مایہ گدا اُس میکدہ کے سرشاروں میں

ہم حق کے علم برداروں کا ہے اب بھی نرالا ٹھاٹھ وہی
بادل کی گرج تکبیروں میں بجلی کی تڑپ تلواروں میں

عشقِ رسول

پرستارانِ لات و نسر مشکیں زید کی کس کر — جب اس اسلام کے شیدا کو مقتل کی طرف لائے

قریش اپنے جلے تن کے پھپھولے پھوڑنے نکلے — گھروں سے رقصِ بسمل کا تماشا دیکھنے آئے

جبینِ زید پر اس وقت وہ رونق برستی تھی — کہ صبحِ اولیں کے نور کی بارش بھی شرمائے

یہ اطمینانِ خاطر دیکھ کر کفر اوچھلا آیا — دلوں کی تیرگی نے بدر کے داغ اور چمکائے

ابوسفیاں پکارا کیا ہی اچھا ہو محمدؐ کو — ترے بدلے اگر جلاد خاک و خوں میں تڑپائے

تڑپ اٹھتا ہوں جب مجھ کو وہ فقرے یاد آتے ہیں — بوقتِ ذبح اس عاشق نے جو اس طرح دہرائے

مجھے ناز اپنی قسمت پر ہو گر نامِ محمدؐ پر — یہ سر کٹ جائے اور تیرا سراپا اس کو ٹھکرائے

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ اُن کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

رسمِ ادب

یہ ادب کی شرط تھی بزم میں کہ وہ سر اٹھا کے کہے صلا — جو کہے الست بربکم تو میں سر جھکا کے کہوں بلیٰ

پسرِ خلیل کی سیکھ ادا جو ہے ذبح ہونے کی آرزو — کہ چھری رکے تو رکے مگر نہ سرکنے پائے ترا گلا

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی — جو رہا تو نام حسینؓ کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

وہ جو سو رہا ہے مدینہ میں کوئی جا کے اس کو یہ دے خبر — چلی آ رہی ہیں وہ آندھیاں کہ چمن حضور کا اُڑ چلا

لقب امۃً وسطاً دیا جنھیں تیرے فضل نے اے خدا — ہیں وہ پیش پیش و راس و چپ آج کیوں وہی سختیوں میں ہیں مبتلا

نگہِ کرم تری کس لئے ہے ستم زدوں سے پھری ہوئی
ہم اُسی کے ہیں ترے لطف نے جسے دی نویدِ لا تقنطوا

سلفِ صالحین

وہ مسلمان کہاں اگلے زمانے والے
گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والے

امتیازِ ابیض و اسود کا مٹانے والے
سبق انساں کو اخوت کا پڑھانے والے

بات کیا تھی کہ نہ روما سے نہ ایراں سے دبے
چند بے تربیت اونٹوں کے چرانے والے

بھید کیا تھا کہ جو آپس میں ملے تھے نہ کبھی
ہو گئے مشرق و مغرب کے ملانے والے

جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکا
بن گئے خاک کو اکسیر بنانے والے

پیشوائی کو نکل آئی خدائی ساری
گھر سے نکلے جو محمدؐ کے گھرانے والے

خم و خمخانہ بھی ہے مہر و نشاں بھی ہے وہی
نہیں ملتے ہیں مگر خم کے لنڈھانے والے

وہی نیساں ہے گہر ریزہ ابھی تک لیکن
نظر آتے نہیں گوہر کے لٹانے والے

کیا سکھلاتے ہیں تمدن کی حقیقت، ہم کو
آج قرآن کی دولت کے چرانے والے

فیض کس کا ہے، یہ اس پر بھی کبھی غور کریں
اپنی تہذیب کا افسانہ سنانے والے

بادشاہی میں فقیری کا چلن رکھتے ہیں
دوشِ پہ بارِ امانت کے اٹھانے والے

نہ دبے ہیں کبھی باطل سے نہ دب سکتے ہیں
گردن اللہ کے رستے میں کٹانے والے

آشنا ذوقِ اسیری سے ہو میری مانند
شعر کہنے ہوں اگر وجد میں لانے والے

بزم و رزم

سیل کی طرح جو نکلے تھے بیابانوں سے
اب جو بن گئے گزرے جو خیابانوں سے

تھا جو اپنوں سے وہی لطف تھا بیگانوں سے
گردنیں دب گئیں اسلام کے احسانوں سے

وہ خود اُمّی تھے مگر کون و مکاں کے اسرار
حکما سیکھ گئے اُن کے دبستانوں سے

اب جو آئی ہوئی ہے گلشنِ گیتی میں بہار
رنگ اُڑا لائی ہے یہ اُن کے ہی گلستانوں سے

اِس کے پینے کے لئے چاہیئے ظرفِ عالی
یہ شراب آئی ہے توحید کے خمخانوں سے

ہمرہِ سست عناں منزلِ سلمیٰ کی خبر
پُوچھتا کیوں نہیں یثرب کے حُدی خوانوں سے

پھر وہی غلغلہ آفاق میں ہوتا ہے بلند
شیر کی گونج پھر اُٹھی ہے نیستانوں سے

ہم نے دیکھا ہے اِن آنکھوں سے اُدھر طارقؓ کو
نعرہ خالدؓ کا سُنا ہے اِدھر ان کانوں سے

بوئے تیغ آتی ہے پہلوئے فلسطین سے ہنوز
جوئے خوں بہنے کو ہے قُدس کے میدانوں سے

سونپ دیں پرچمِ تثلیث کو بغداد و دمشق
نہیں اُمّید یہ کعبہ کے نگہبانوں سے

کور دبتی ہوئی آتی ہے حریفوں کی نظر
اِک طرف ترکوں سے اور اک طرف افغانوں سے

مصر بے تاب ہو یا ہند ہو آتش بجگر
ہے یہ سب گرمئ ہنگامہ مسلمانوں سے

اخلاقِ مرتضوی

روایت ہے کہ اک سرکش یہودی
ہُوا جنگ آزما شیرِ خُدا سے

نہ تھا اُس رمز سے شاید وہ آگاہ
کہ یہ کُشتی وہ لڑتا ہے قضا سے

جو اپنی جان کا ہو آپ دُشمن
وُہی اُلجھے علیؓ مرتضےٰ سے

ہُوا واقف وہ پہلی ہی پکڑ میں
علیؓ کے زورِ مرحب آزما سے

زمیں پر آ رہا گرتا ہے جس طرح
خزاں کا آخری پتّا ہوا سے

کھڑی تھی موت اُس کے سر پہ اُس وقت
نہ تھا خس کو مفر سیلِ فنا سے

بہ رنگِ ذوالفقار اُس کے لہو کے
نظر آتے تھے عرش و فرش پیاسے

یہودی نے یہ جب دیکھا کہ ہرگز | نہیں ممکن ہے بچنا اِس بلا سے
مقابل چاند تھا تھوکا اُسی پر | طبیعت کے کمینے اقتضا سے
کہ نکلے آخری نفرت کی حسرت | اسی حیلے دلِ کفر آشنا سے
یہ گستاخانہ یہ بے ہودہ حرکت | جونہی سرزد ہوئی اُس نارسا سے
معاً روکا علیؓ نے ہاتھ اپنا | وہ جو دو ہاتھ آگے تھا قضا سے
کیا خوں بھی معاف اور یہ خطا بھی | مئے احساں سے تھے لبریز کاسے
جرائم سے نوازش کچھ سوا تھی | عطائیں بڑھتی جاتی تھیں خطا سے
یہودی بن گیا تصویرِ حیرت | امیرالمومنین کی اِس ادا سے
لگا کہنے کہ اے سردارِ ذی جاہ | یہ سب کچھ کیوں ہے اور کس مدعا سے؟
مجھے کیوں آپ نے محروم رکھا | مرے مغلوب ہونے کی سزا سے؟
کیا کیوں میری اس حرکت سے اغماض؟ | جو ہے مذموم بڑھ کر انتہا سے
مکافاتِ عمل کا یہ تصور | ہے بالاتر مری فکرِ رسا سے
جواب اس نکتۂ باریک کا یوں | ملا اُس کو لبِ مشکل کُشا سے
جو سچ پوچھے تو غصہ آ گیا تھا | مجھے اِس تیرے فعلِ ناروا سے
مگر یہ غصہ رکھتا تھا تعلق | فقط میرے ہی نفسِ فتنہ زا سے
میں اس حالت میں تجھ کو قتل کرتا | تو ہوتا سرخرو کیونکر خدا سے
کہ میں جو کام بھی کرتا ہوں اُس میں | غرض ہوتی ہے مولا کی رضا سے
یہودی سن چکا اچھی طرح جب | یہ ارشاد انتہا تک ابتدا سے
پکار اُٹھا کہ ہے اسلام سچا | ہے دُنیا قائم اس دینِ ہُدیٰ سے
تہی داماں رہا ہوں آج تک میں | چُنوں گا پھول اب اس بستانِ سرا سے
مرا گھر شعلہ زارِ طور ہوگا | اب اس شمعِ فروزاں کی ضیا سے

نہ سرتابی کروں گا آج کے بعد
خدا سے اور محمد مصطفےٰ سے

اِنسان کی آزادی کا اِسلامی تصوّر

فطرت اللّٰہ التی فطر النّاس علیہا

عمرو ابن العاص کے بیٹے نے مارا بے خطا — مصر کے بازار میں اِک قبطیٔ ناشاد کو
اپنے گھر کی سلطنت تھی، مدعی تھا غیر نسل — ضعف جس کا دے رہا تھا دعوتِ استبداد کو
کوئی طاقت، دستگیری اُس کی کر سکتی نہ تھی — قیصر و پاپا بھی آ سکتے نہ تھے امداد کو
ہاں مگر وہ عدل کا پیکر کہ اُس کے عہد میں — سر چھپانے کی جگہ ملتی نہ تھی بیداد کو
جس کی نظروں میں مسیحی اور مسلم ایک تھے — جس نے قرباں کر دیا ایمان پر اولاد کو
جلوہ گر تھا تمکنت سے مسندِ اسلام پر — سُن رہا تھا قبطیٔ مظلوم کی فریاد کو
مدعی سے آپ نے ملزم کو پٹوا کر وہیں — کر دیا پھر استوار انصاف کی بنیاد کو
جو نصیحت کی مسلمانوں کو اس وقت آپ نے — درسِ عبرت ہے وہ اس دورِ ستم ایجاد کو
لوحِ دل پر نقش ہے فاروقِ اعظمؓ کا یہ قول — ہم نہ بھولیں گے کبھی اس آپ کے ارشاد کو
"آدمی پیدا ہوا آزاد ماں کے پیٹ سے — کب سے تم لوگوں نے سمجھا ہے غلام آزاد کو"

کاش یورپ جائے کوئی نکتہ ور اور یہ سبق
اُٹھ کے دے تہذیبِ انسانی کے اس اُستاد کو

علامہ احمد بن نصر محدث بغداد کی شہادت

تھا پختہ یہ واثق کا عقیدہ کہ ہر اک شخص — گردن زدنی ہے جو نہیں معتزلی ہے
احمد کی یہ حجت تھی کہ قرآں نہیں مخلوق — تصنیف مصنّف کی طرح علم ازلی ہے
شایاں نہیں مومن کو کہ ہو منکر رؤیت — ایماں کی یہ تفسیر بعنوان جلی ہے
اس کلمۂ حق پر انھیں ہونا تھا جزائے قتل — تقدیر یونہی تھی جو ٹلے گی نہ ٹلی ہے
سر قطع پہ لوٹا تو فرشتوں نے یہ سمجھا — شاید یہ کوئی روضۂ رضواں کی کلی ہے
حوروں نے لیا تھام تو تھا لاش کا یہ رنگ — گویا کہ ابھی نور کے سانچے میں ڈھلی ہے
احمد کا لہو آج بھی دیتا ہے شہادت — قرآں کی ہر آیت ابدی ہے ازلی ہے

ہے سنّتِ اسلام اسی خون کی سرخی
یہ فصل اسی خون سے پھولی ہے پھلی ہے

حجامت

میری داڑھی نے کیا بڑھ کر یہ آج ان سے سوال — کیا یہاں کے نائی بھی کونسل کے ممبر ہو گئے
ہو گیا منسوخ شاید اسلحہ کا ایکٹ بھی — ورنہ کیوں ناخن بڑھے اتنے کہ نشتر ہو گئے

کس لئے کرتے نہیں قانون موسیٰ[۱] کا نفاذ
لارڈ ریڈنگ[۲] آتے ہی عیسیٰ کے کیوں خر ہو گئے

---

۱ استرے کو بھی کہتے ہیں
۲ موسائی یعنی یہودی ہیں

یوم المستضعفین

یہ نکتہ اُمتِ مرحوم کو بھولا نہیں ہو گا
کہ اک دن گل جہاں میں غلبۂ دینِ مبیں ہو گا

وہ وقت آنے کو ہے جب ایشیا کی طرح یورپ بھی
رسول اللہ کے خوانِ کرم سے ریزہ چیں ہو گا

شرابِ معرفت بھر دی گئی ہو گی پیالوں میں
نویدِ واشربوا سے لرکھڑا روح الامیں ہو گا

مدارج طے سبھی ہو جائیں گے ایمانِ کامل کے
یقیں عین الیقیں ہوتا ہوا حق الیقیں ہو گا

جھکا دے گا سرِ تسلیم واسجد واقترب سن کر
کوئی کافر اگر مجلس میں بت اور آستیں ہو گا

بجے گا سطوتِ کبریٰ کا ڈنکا ساری دنیا میں
زمیں ملکِ مبیں ہو گی فلک زیرِ نگیں ہو گا

خلافت اقتدار اپنا زمانے پر بٹھا دے گی
مطاعِ دہر قسطنطنیہ کا مسند نشیں ہو گا

اُڑائے جائیں گے ابلیس کے قانون کے پُرزے
کتابِ عدل کا شیرازہ بندِ آئینِ دیں ہو گا

اسیرانِ جفا کی کاٹ دی جائیں گی زنجیریں
مگر خود ظلم کی گردن میں طوقِ آہنیں ہو گا

غلام آزاد ہوں گے تا کہ بخشا جائے تاج ان کو
جہاں میں عدل ہو گا لیکن احساں کے قریں ہو گا

ہر اک چھوٹا بڑا آزاد ہو گا فکرِ دنیا سے
نہ زید افسردہ دل ہو گا نہ عمرو اندوہگیں ہو گا

یہ سارے غیب کے اسرار جس دن منکشف ہوں گے
بلند آفاق میں اس دن سرِ مستضعفیں ہو گا

پدّی

مسلماں ہو گئے دو ایک مرتد
تو اسے حق کے پرستار و ہوا کیا

یہ شدھی کیا اور اس کی کیا حقیقت
یہ پدّی کیا اور اس کا شوربا کیا

حسم

"اسلمت" پکاروں گا باندازِ براہیم
مسلم ہوں مرا شیوۂ دیرینہ ہے تسلیم

کی ہے مرے ہادی نے مجھے صبر کی تلقین
دی ہے مرے آقا نے رضا کی مجھے تعلیم

جاہل ہو مخاطب تو میں کہتا ہوں "سلاما"
بھولا نہیں ہیں اپنے پیمبر کی یہ تفہیم

دل جوئیِ اغیار بھی مجھے مدِ نظر ہے
کرتا ہوں میں دنیا کے سب ادیان کی تکریم

لیکن میں پرستار نہیں خاکِ وطن کا
دیتا نہیں اس بت کو کسی شکل میں تعظیم

قائل نہیں میں ہند کے ان فلسفیوں کا
جو ہم کو دلاتے ہیں یقیں از رہِ تحکیم

جب تک کہ نہ ہو تابع خاکِ وطن ایماں
اس ملک میں ممکن نہیں اک قوم کی تنظیم

ایماں تو اک نور ہے دل جس سے ہے روشن
اس نور پہ کب خاک کو ہو سکتی ہے تقدیم

میں پہلے مسلمان ہوں بعد اس کے ہوں کچھ اور
وہ تھی مری تخصیص تو یہ ہے مری تعمیم

ازبسکہ رعیت ہوں میں شاہِ دوسرا کی
بستی ہے مری مشرق و مغرب کی ہر اقلیم

بخشی گئی دنیا بھی ملا دین بھی مجھ کو
جس وقت کہ اسلام کی دولت ہوئی تقسیم

اے دینِ مبیں ہند میں درپیش ہے تجھ کو
آج ایک نیا خوف نیا خطرہ نیا بیم

توحید کے فرزند ہیں کفار کی زد میں
اور سب سے بڑا حربۂ کافر ہے زر و سیم

ہم کفر کی شب خوں سے ڈرے ہیں نہ ڈریں گے
بڑھتے ہیں جو کفار تو ہم پڑھتے ہیں حٰمٓ

مرتا ہو جو پیاسا بھی تو گنگا و جمن سے
لب تر نہ کرے جرعہ کشِ کوثر و تسنیم

بدلی ہے نہ بدلے گی مسلماں کی فطرت
اللہ کے قانون میں ہوتی نہیں ترمیم

نالہ کی رسائی

فغانِ درویش

خُدایا تیرے گھر کی خاک اُڑائی جا رہی کیوں ہے
قیامت وقت سے پہلے ہی آئی جا رہی کیوں ہے

بجائی جا رہی ہے اینٹ سے کیوں اینٹ کعبہ کی
خلیل اللہ کی بنیاد ڈھائی جا رہی کیوں ہے

جہاں آٹھوں پہر توحید کا نقارہ بجتا تھا
وہاں تثلیث کی گھنٹی بجائی جا رہی کیوں ہے

حرم سے پاسبانی جس کی یارب تجھ پہ لازم ہے
فرشتوں کی محافظ فوج اُٹھائی جا رہی کیوں ہے

اُڑائے جا رہے ہیں کس لئے پُرزے خلافت کے
رسول اللہ کی دولت لُٹائی جا رہی کیوں ہے

گر انّ الدین عند اللہ الاسلام آج بھی سچ ہو
تو پھر اسلام پر آفت یہ لائی جا رہی کیوں ہے

وہ آگ اسلام کے اعدا کے خرمن کا جو حصہ تھی
محمدؐ کے بھرے گھر میں لگائی جا رہی کیوں ہے

وہ تیغ اعدا کے سر پر جس کو بجلی بن کے گرنا تھا
ہماری گردنوں پر آزمائی جا رہی کیوں ہے

خُدا کے نام پر مر مٹنے والوں کی صفِ ماتم
ملیبار اور سمرنا میں بچھائی جا رہی کیوں ہے

پرستش تیری اب بھی فرض ہے گر ابنِ آدم پر
رسُول اللہ کی اُمت مٹائی جا رہی کیوں ہے

یہ مانا رحمتیں تیری ہیں شامل دشمنوں کو بھی
مگر یہ قوم یوں سر پہ چڑھائی جا رہی کیوں ہے

پتنگ ابلیس کا تارا ہُوا جاتا ہے گردوں کا
خدایا اس کو ڈور اتنی بڑھائی جا رہی کیوں ہے

تری غیرت کی بجلی تلملاتی کیوں نہیں یارب
حریفوں کو جلال اپنا دکھاتی کیوں نہیں یارب

صفیرِ سروش

فلا تعجل علیہم سُن کے بھی تجھ کو نہ صبر آیا
مگر یہ ناصبوری مقتضا ہے تیری فطرت کا

نظر آتے تھے تجھے معلول و علت کے نئے عالم
اُٹھا سکتا اگر تو پردہ ایزد کی مشیت کا

تری آنکھوں سے اوجھل وہ حیاتِ نَو ہے دُنیا کی
تصرّف جس میں پنہاں ہے خدا کے دستِ قدرت کا

وہ اُمّت کی حیاتِ جاوداں کا ساز و ساماں ہے
تجھے فتنہ نظر آیا ہے بن کر جو قیامت کا

جسے تعبیرِ سیلابِ حوادث سے کیا تُو نے
حقیقت میں وہ اک اُمڈا ہوا دریا ہے رحمت کا

سمجھتا ہے تباہی تُو جسے اسلام والوں کی
وہ در اصل اک نیا انداز ہے احیاءِ ملّت کا

حرم کیا ہے؟ فقط اک جذبہ ہے جس کی جہانگیری
خراج اقلیمِ جاں سے آ کے لیتی ہے اخوّت کا

فنا سامانیاں اس میں نہیں ہیں اینٹ پتھر کی
بگڑنا کس طرح ممکن ہے بن کر اس عمارت کا

یہ جو کچھ ہو رہا ہے، ہو رہا ہے ایک مقصد سے
تحفّظ اس سے ہے مقصود ناموسِ شریعت کا

کہاں ہیں رومناف، اور ہو گئی کیا سلطنت ان کی
ابھی کل تک جہاں میں غلغلہ تھا جن کی صولت کا

کدھر ہیں ہیپسبرگ اور کیا ہوئی اُن کی شہنشاہی
کہ تھی عثمانیوں کے حق میں اک پرکالہ آفت کا

خدائی کرنے والے مٹ گئے اور مٹتے جاتے ہیں
وہی رہ جائیں گے کچھ پاس ہے جن کو امانت کا

خدا ہرگز نہیں کرتا فراموش اپنے بندوں کو
اگر بندے ادا کرتے رہیں فرض اُس کی طاعت کا

بڑھا ہے چاند گھٹ کر، بڑھی ہے موج ہٹ ہٹ کر
اسی انداز سے ہوگا عروج اک دن خلافت کا

اُنھیں آتش بجانوں کا حیاتِ دہر پر حق ہے
کہ رکھتے ہوں سرِ شوریدہ میں سودا شہادت کا

مسلماں جی نہیں سکتا ہے مر لیتا نہیں جب تک
یہ دریا چڑھ نہیں سکتا اُتر لیتا نہیں جب تک

گورا رنگ

کمزور کو لوٹ اور نہتوں کا گلا کاٹ
کس سے تجھے اندیشہ ہے کس سے تجھے چوری

اس عہد کی تہذیب کے فتوے پہ عمل کر
سب کچھ ہی روا ہے تری رنگت ہے جو گوری

ترک

"لیظہرہٗ کے وعدے کے وفا ہونے کا وقت آیا
گدائے بے نوا کے بادشا ہونے کا وقت آیا

ظہورِ غلبۂ دینِ مبیں کی ساعت آپہنچی
جہاں میں حق کے باطل سے جدا ہونے کا وقت آیا

گھر آیا ابرِ رحمت ہر طرف سے بامِ گردوں پر
محمدوں پر سایۂ لطفِ خدا ہونے کا وقت آیا

ہو اللہ احد کے نغمہ کو بے تاب ہے گلشن
قفس سے عندلیبوں کے رہا ہونے کا وقت آیا

پسند آیا کشائش کو کسی کا عقدۂ مشکل
رسول اللہ کے مشکل کشا ہونے کا وقت آیا

شرابِ جاں ہوئی گلرنگ مینائے شہادت سے
زلالِ زندگی کے جانفزا ہونے کا وقت آیا

بنی تیغ آزمائی پاسبانِ شب زندہ داری کی
خلافت کے نئے سر سے عطا ہونے کا وقت آیا

یہ جا کر دشمنانِ دینِ حق سے برملا کہہ دو
کہ تم سب کے زبوں ہو کر فنا ہونے کا وقت آیا

ہے اسلام اک سمندر اور ترک اک قطرہ ہے اس میں
اس اک قطرے سے اک طوفاں بپا ہونے کا وقت آیا

توانا ؤں پہ کیونکر ناتواں کو غلبہ ملتا ہے
ان آیاتِ مبیں کے رونما ہونے کا وقت آیا

اکیلا سارے یورپ سے پچھاڑا جا نہیں سکتا
کسی سے ترک کا لنگر اکھاڑا جا نہیں سکتا

کلیسائے عیسوی

عمل سختی سے اس قانون پر ہوتا ہے مغرب میں
کہ کھل سکتا نہیں دروازہ کالوں پر کلیسا کا

کہا اس پر یہ اک گورے نے عیسیٰ بھی تو کالے تھے
نہ کیوں پھر داخلہ ممنوع ہو گرجا میں عیسیٰ کا!

ہنوز آں ابرِ رحمت دُرفشاں است

غمِ امت میں ہے چشمِ پیمبرؐ اشکبار اب بھی
گہر ریزی میں ہے مصروف ابرِ نو بہار اب بھی

ہُوا ہے دامنِ گلچیں ہی کوتہ ورنہ گلشن میں
وُہی ہیں لالہ و گُل اور وہی اُن کی بہار اب بھی

دلِ وحشی سے اس پھندے میں اُلجھا ہی نہیں جاتا
ہے برہم ورنہ پہلے کی طرح زلفِ نگار اب بھی

اگر پہلو میں دل ہو اور تڑپ اسلام کی دل میں
برس سکتا ہے ابرِ رحمتِ پروردگار اب بھی

سلیقہ مے کشی کا ہو تو کر سکتی ہے محفل میں
نگاہِ لطفِ ساقی مفلسی کا اعتبار اب بھی

گر اپنے خوں سے کر سکتا ہو تو اس کی حنابندی
عروسِ ملک ہو سکتی ہے تجھ سے ہمکنار اب بھی

فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

وہی ہے جس کے لطفِ خاص کے دیرینہ صدقے ہیں
اخوت ہے مسلمانانِ عالم کا شعار اب بھی

مشقِ ناز

ترا رسد کہ جہانے بہ ترکتاز کُشی
گہے عراق کُشی و گہے حجاز کُشی

ہُوئی تمام رعایا تباہ اور برباد
کہاں سے سیکھی ہے محمود نے ایاز کُشی

یہ کہہ رہے ہیں ملیبار و جلیانوالہ
"کسے نماند کہ دیگر بہ تیغِ ناز کُشی
مگر کہ زندہ کُنی خلق را و باز کُشی"

عہد نامۂ سیورے

قدیم وضع پہ اندازۂ جہاں نہ رہا
مکیں رہے مگر ان کا کہیں مکاں نہ رہا

زمین پاؤں تلے سے نکلتی جاتی ہے
سروں پہ سایہ فگن تھا جو آسماں نہ رہا

ہوا اک ایسی یکایک چلی زمانے میں
کہ جس کے ہم تھے عنادل وہ گلستاں نہ رہا

وہ رونقیں نظر آتی نہیں خیاباں پر
فضا وہ پہلی سی اگلا سا وہ سماں نہ رہا

وہ بوئے نسترن و یاسمین و گل نہ رہی
وہ رنگِ لالہ و نسرین و ارغواں نہ رہا

خموش ہے چمنستاں کہ شاخساروں میں
خروشِ نالۂ مرغانِ صبح خواں نہ رہا

یہ کہہ رہے ہیں نصاریٰ کہ آج دنیا میں
کہیں بھی سطوتِ اسلام کا نشاں نہ رہا

بچا حرم بھی نہ صید افگنوں کے ہاتھوں سے
سلامت ایک بھی طائر کا آشیاں نہ رہا

بھٹک رہے ہیں اندھیرے میں قافلے والے
کہ رہبری کے لئے میرِ کارواں نہ رہا

دلِ شکستہ کو اُمیدِ عافیت نہ رہی
زبانِ بستہ کو یارائے الاماں نہ رہا

کبھی زمانہ میں ڈالا تھا غلغلہ جس نے
وہ نامِ زینتِ عنوانِ داستاں نہ رہا

زوالِ دولتِ عثماں پہ خوش نہ کیوں ہو رقیب
کہ اک حجاب، جو حائل تھا درمیاں نہ رہا

ہزار سال وہ سر پھوڑتا رہا جس پر
ہزار حیف وہی سنگِ آستاں نہ رہا

گلہ ہے بخت کی نیرنگیوں سے لاحاصل
عبث ہے شکوہ کہ گنبد پہ گردگاں نہ رہا

گئی جو خاتمِ جم ہاتھ سے تو غم کیسا
خُدا تو سر پہ رہا گر خدائیگاں نہ رہا

فلک نے بادہ کشوں کا الٹ دیا ساغر
تو کیا حجاز کا ساقی بھی مہرباں نہ رہا

"بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بگردشِ رطلِ گراں بگردانیم"

نشأۃ الثانیہ

گر چشمِ جہاں بیں ہے تو نیرنگِ جہاں دیکھ
آفاق میں اللہ کی قدرت کے نشاں دیکھ

کس قطع سے دامانِ شبِ تار ہوا چاک
کس وضع سے خورشید ہوا جلوہ فشاں دیکھ

کس طرح ہری ہو گئیں سوکھی ہوئی شاخیں
رخصت ہوئی کیونکر چمنستاں سے خزاں دیکھ

چڑھتی ہے کس انداز سے اُتری ہوئی ندی
کس شان سے ہر جا رہیں اک ملا ہے نہاں دیکھ

پھر پاٹ میں پھیلاؤ وہی ہے جو کبھی تھا
توحید کے دریا کو گراں تا بکراں دیکھ

پھر پرچمِ اسلام ہے عالم میں سرافراز
پھر دینِ ہدیٰ کی وہی شوکت وہی شاں دیکھ

پھر زمزمۂ نغمہ سرایانِ حرم سن
پھر قافلۂ یثرب و بطحا کو رواں دیکھ

اللہ کی رحمت کے کرشموں پہ نظر کر
ڈوبے ہوئے بیڑے کے اُچھلنے کا سماں دیکھ

تفسیر سمجھنی ہو اگر کُن فیکوں کی
تاثیرِ دعاہائے شہِ کون و مکاں دیکھ

جو تخت پہ تھے تختہ ہے اُلٹا ہوا اُن کا
جو تھے سپر انداز چڑھی اُن کی کماں دیکھ

اک حملہ میں ترکوں نے لیا جا کے سمرنا
اک جست میں پہنچے ہیں کہاں سے وہ کہاں دیکھ

اے نالۂ مظلوم کی تاثیر کے منکر
آتش زدہ یورپ سے جو اُٹھتا ہے دھواں دیکھ

وہ قصر جو اسلام کے کھنڈروں پہ بنا تھا
اب چاٹ رہی ہے اُسے شعلوں کی زباں دیکھ

پھر گرم ہے بازارِ رسولِ عربی کا
اور جل کے ہوئی راکھ حریفوں کی دکاں دیکھ

جاروب کشانِ حرمِ مصطفوی کا
اللہ نے کس طرح کیا پلّہ گراں دیکھ

یادِ ایام

وہ وقت بھی ہے یادِ عزیزانِ وطن کو — کپڑا بھی نہ ملتا تھا شہیدوں کے کفن کو

چادر سے جو ڈھانپا نہ گیا لاشۂ مصعبؓ[1] — اذخر سے چھپاتے گئے عریانیٔ تن کو

جب بھوک لگی پیٹ سے پتھر ہی لیا باندھ — یوں رکھتے رہے روح سے وابستہ بدن کو

وہ دن بھی پھر آئے کہ یہی بے سروساماں — خاطر میں نہ لاتے تھے سلاطینِ زمن کو

اللہ کے بندوں کا جب اڑتا تھا پھریرا — جھکتے ہی بن آتی تھی پرستارِ وثن کو

ہوتی تھی کسی رن میں اگر نیزہ کی حاجت — بڑھ کر وہ جھکا لیتے تھے سورج کی کرن کو

خنجر وہ لگاتے تھے کمر میں مہِ نو کا — لاتے تھے جلو کے لئے پروین و پرن کو

کافور کی تھی شمع تو سونے کا لگن تھا — مومن کا یہ سامان تھا کافر کی جلن کو

تمہیدِ قیامت کی سمجھتی تھی خدائی — اسلام کے کھنچتے ہوئے ابرو کی شکن کو

اس رنگ میں بیٹھے تھے کہ مغرب سے اک آندھی — اٹھی اور اڑا لے گئی یاروں کے چمن کو

رحمت کی گھٹائیں بھی مگر جھوم کے آئیں — اور دے گئیں رنگِ چمن آتے ہی دمن کو

پھر تازہ ہوا قصۂ حسینؓ ابنِ علیؓ کا — پھر زندہ مسلماں نے کیا رسمِ کہن کو

بھاگے ہوئے بندے ہیں پھر آقا کے قدم میں — ڈالے ہوئے گردن میں اطاعت کی رسن کو

جس روز سے بدلی ہے روش ہم نے خود اپنی — بدلا ہے خدا نے بھی زمانہ کے چلن کو

آتے ہیں نظر قاف سے تا قاف ہمیں ہم — پھر ہم نے ملایا ہے مراکش سے ختن کو

شمشیر نو عریاں تھی سقاریا[2] کے کنارے — بوسہ کی تمنا ہے لبِ آبِ جمن کو

---

[1] حضرت مصعبؓ بن عمیر جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

[2] رودِ سقاریا جس کی موجیں قسطنطین شاہِ یونان کی فوجوں کے خون سے گلرنگ ہوئیں۔

مشاطۂ سپہر کی دُعا بن گئی جس وقت لائے ہیں چھپر کھٹ میں خلافت کی دلہن کو
پیغام بہار آ کے نئے سر سے دیا ہے گلشن میں صبا نے گل و نسرین و سمن کو
یہ نظم گہر ریز و گہر بیز کروں پیش
گر نذر میں دوں حضرتِ خاقانِ دکن کو

گاندھی

(بردولی سے پہلے)

گاندھی نے آج جنگ کا اعلان کر دیا باطل سے حق کو دست و گریبان کر دیا
سر رکھ دیا رضائے خدا کی حریم پر خنجر کو پھر حوالۂ شیطان کر دیا
ہندوستان میں ایک نئی رُوح پھونک کر آزادیٔ حیات کا سامان کر دیا
دشمن میں اور دوست میں ہونے لگی تمیز کتنا بڑا یہ ملک پہ احسان کر دیا
دے کر وطن کو ترکِ موالات کا سبق ملت کی مشکلات کو آسان کر دیا
شیخ اور برہمن میں بڑھایا وہ اتحاد گویا اُنھیں دو قالب و یک جان کر دیا
اوراقِ جبر و جور و جفا کو بکھیر کر شیرازہ سلطنت کا پریشان کر دیا
ظلم و ستم کی ناؤ ڈبونے کے واسطے قطرہ کو آنکھوں آنکھوں میں طوفان کر دیا
تن من کیا نثار خلافت کے نام پر سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا
پروردگار نے کہ وہ ہے منزلت شناس
گاندھی کو بھی یہ مرتبہ پہچان کر دیا

(بردولی کے بعد)

گاندھی کے اس بسائے ہوئے گھر کو آہ آہ دستِ فلک نے لُوٹ کے ویران کر دیا

خود اس فدائے قوم کو چھ سال کے لیے
سرکارِ ذی وقار کا مہماں کر دیا

قسمت نے ڈال کر اسے قیدِ فرنگ میں
ہندوستاں کے جسم کو بے جان کر دیا

جاتے ہی اُس کے ملک کی صورت بدل گئی
انساں نے اپنے آپ کو حیوان کر دیا

فتنہ کہیں کیا جو ملیبار کا بپا
پیدا کہیں قضیۂ ملتان کر دیا

جاں سنگھٹن سے ہو گئی خطرہ میں مبتلا
شُدھی نے بڑھ کے رخنہ درِ ایمان کر دیا

ایماں نے آ کے شعلۂ غیرت کو دی ہوا
روشن چراغِ دودۂ عثمان کر دیا

عثمانیوں کے خنجرِ خارا شگاف نے
یورپ کے کافروں کو مسلماں کر دیا

دینِ مبیں کے مجد و شرف کے لزوم کو
تمہیدِ عہد نامۂ لوزان کر دیا

"مشرق کو زندہ کر نہیں سکتا خدا بھی آج"
مغرب کے اس عقیدہ کا بطلان کر دیا

اس فتح نے زمانہ میں جس کی نہیں نظیر
سارے جہاں کی عقل کو حیران کر دیا

پھر ماجرا یہ کیا ہے کہ اپنی ہی فتح نے
اہلِ وطن کو سر بگریبان کر دیا

کس سمت سے ہوا یہ چلی جس نے یک بیک
دانشورانِ ہند کو نادان کر دیا

کیا سوچ کر انھوں نے جو تھے مصلحت پسند
ہر مصلحت کو گائے پہ قربان کر دیا

اپنے کئے پہ آپ پشیمان ہو گئے
اپنے چمن کو آپ بیابان کر دیا

وا حسرتا کہ ہند کی آپس کی پھوٹ نے
خالی حریف کے لئے میدان کر دیا

—

مرقع

شعر کیا ہے؟ خیال کی تصویر — بال اور اس کی کھال کی تصویر!
نہ فقط نقشِ عارضِ زیبا — نہ فقط خط و خال کی تصویر!
بلکہ کل کائنات کی رونق — اور اُس کے جمال کی تصویر!
ملتوں کی حیات کا معنی — اُمتوں کے مآل کی تصویر!
چند الفاظِ دلکش آجائیں — بن کے سحرِ حلال کی تصویر!
دیکھنی ہو اگر تمہیں منظور — آلِ عثماں کے حال کی تصویر!
نظر آجائے گی مرقع میں — مصطفےٰ کے کمال کی تصویر!
مشرقی کے عروج کا نقشہ — مغربی کے زوال کی تصویر!
مجتبائی جمال کا پرتو — کبریائی جلال کی تصویر!
رہِ حق میں جھکی ہوئی گردن — امر کے امتثال کی تصویر
ترک کی نسخ کا تصور تک — تھا اک امرِ محال کی تصویر
گرچہ پھرتی تھی پھر بھی آنکھوں میں — درۂ دانیال کی تصویر
جنتِ لازوال کی صورت — صولتِ بے مثال کی تصویر
اب اُسی کے خرام کا انداز — ہے قیامت کی چال کی تصویر
رزم گہ اُس کی بدر کا منظر — علم اُس کا ہلال کی تصویر
اُس کے کل کے حریف آج بنے — اُس کی صفِ نعال کی تصویر
دیکھو ان سب کی صورتیں خاکہ — ہو بہو ہیں وبال کی تصویر
کوئی ہے اضطراب کی تمثال — کوئی ہے انفعال کی تصویر

کوئی بغض و عناد کا پیکر　　کوئی رنج و ملال کی تصویر
منٹگمری میں بیٹھ کر کھینچی
میں نے دنیا کے حال کی تصویر

شرارت کی جڑ

سب تیری کمیٹی ہوئی دولت ہوئی غارت　　بنتے ہی بگڑ کیوں گئی قسمت تری بھارت
گاندھی کی بساط ہوئی بستی ہوئی برباد　　دو سال کی محنت ہوئی پل بھر میں اکارت
ہم ڈھونڈھنے نکلے ہیں کھنڈر اس کے تری ہیں　　تھی بام ثریا سے بھی اونچی جو عمارت
گرما گئے تھے جس سے ٹھٹھرتے ہوئے اعضا　　باقی نہ رہی جسم کے اندر وہ حرارت
اس خون کا اک قطرہ بھی دل میں نہیں موجود　　جس سے دم شمشیر کی ہوتی تھی طہارت
رہرو تو بہت ہیں مگر ایسا کوئی رہبر　　ملتا نہیں رکھتا ہو جو آنکھوں میں بصارت
دہلیز حکومت پہ سر عجز جھکا کر　　لینا بہت آساں ہے قلمدان وزارت
گرتے ہوؤں کو بھی کوئی تھامے یہ ہے دشوار　　پیدا نہیں کرتا کوئی اس فن میں مہارت
کیوں ہند کی تقدیر نے کھایا ہے یہ پلٹا　　بوجھی گئی اب تک نہ کسی سے یہ بجھارت
مسلم کی خطا ہے نہ یہودی ہی کی تقصیر
یہ سب ہے فقط ایک برہمن کی شرارت

آصف جاہ سابع اور سمرنا

اے کہ درد دلِ اسلام سے بے تاب ہے تو
جس کی تعبیر مری زیست کا وہ خواب ہے، تو

اے گدازِ جگرِ خستۂ اربابِ نظر
دلِ ملت ہے اگر کعبہ تو میزاب ہے تو

بسملِ تیری بھی ہے رقص کناں میری طرح
گرچہ میں ذرہ ہوں اور مہرِ جہانتاب ہے تو

بے کسی قوم کی آخر تجھے تڑپا ہی گئی
کیوں نہ ہو جوشِ رگِ دودۂ خطاب ہے تو

فرض اپنا یونہی عثمان علی خاں پہچان
اے کہ میرے لئے مستغنی از القاب ہے تو

اے سمرنا کی زمیں تجھ پہ خدا کی رحمت
خونِ اسلام کے چھڑکاؤ سے سیراب ہے تو

ارغواں پاش ترے فیض سے ہے دیدۂ تر
ریزشِ اشک کو سرمایۂ عناب ہے تو

عرش تھرائے نہ کیوں فرش لرز جائے نہ کیوں
آہِ تیراہ ہے تو نالۂ پیچاب ہے تو

آلِ عثمان کی عزت کی حفاظت کی طرف
کسی تیمور کی غیرت کی عناں تاب ہے تو

تختۂ یوناں کا الٹ کفر کے بیڑے کو ڈبو
جیسے خود خون کے سیلاب میں غرقاب ہے تو

اعظم الجہاد

سب لاگ بات بال برابر لگی نہ رکھ
فرما گئے ہیں حضرتِ خیر البشرؐ یہی

اظہارِ امرِ حق میں نہ ہو خوفِ جوار و گیر
ہے اعظم الجہاد بحکمِ حدیث یہی

صلیب و ہلال

جو کش مکش ہے آج صلیب و ہلال میں
گزری نہ تھی کبھی مرے وہم و خیال میں

حق پا بہ گِل ہے باسفورس کے کنارہ پر
باطل ہے سربلند درِ دانیال میں

لہرا رہا ہے بامِ حرم پر لوائے کفر
لپٹا ہوا ہے کعبہ گلیمِ ضلال میں

اقصائے شرق و غرب میں اک حشر ہے بپا
پھیلا ہوا ہے فتنہ جنوب و شمال میں

وہ زخمِ دل کشا نئے سر سے ہرے ہوئے
آنے نہ پائے تھے جو ابھی اندمال میں

مسلم کے خوں سے مشرق و مغرب ہیں لالہ زار
گزرے ہیں سات سال جدال و قتال میں

شرعِ نبی ہے دستخوشِ صولتِ فرنگ
سب فرق مٹ گیا ہے حرام و حلال میں

یزداں بدل کے صبر و رضا کا ہے امتحان
طاغوتیوں کی درس گہِ اشتعال میں

یہ حال اپنے دوست کی اُمت کا دیکھ کر
بل پڑ گیا خدا کی جبینِ جلال میں

پہلے تھی ہم سے کفر کی اب ہے خدا سے جنگ
کچھ شک نہیں رہا ہے اب اس کے زوال میں

آئینہ

پوچھا اُنھوں نے ہنس کے یہ مجھ سے براہِ طنز
جب کرنے آئے جیل کا اک دن معائنہ

کیسی ہے اور کہاں ہے حکومت کی شیطنت
میں نے کیا جواب میں پیش اُن کو آئینہ

شکوہ

عرض کر حضرتِ اقبال سے جا کر یہ صبا
اے کہ دُنیائے سخن میں تری تمثال نہیں

ماجرا کیا ہے کہ کچھ روز سے خاموش ہے تو
گرم پرواز ترا فکرِ سبک بال نہیں

بزم کہتی ہے کہ تو جب سے نہیں زمزمہ سنج
کسی آہنگ میں وہ شورِ نہیب و نال نہیں

باندھنے کے لئے مضموں نہیں ملتے تجھ کو
یا روانی پہ تری طبع ہی فی الحال نہیں

کونسا دن ہے کہ سر پر کوئی بجلی نہ گری
کونسی شب ہے کہ آیا کوئی بھونچال نہیں

کونسا گوشہ ہے ماتم نہیں جس میں برپا
کونسا خطّہ ہے جو مضطرب الحال نہیں

شاہزادے[۱] سے عقیدت نہیں کس بستی کو
کشورِ ہند کے کس شہر میں ہڑتال نہیں

یہ مباحث ترے نزدیک ہیں فرسودہ اگر
تو خلافت کے مضامین تو پامال نہیں

ان معارف ہی سے کر آکے جہادِ اکبر
شرع کو تجھ سے تقاضائے زر و مال نہیں

کب جنوں مصلحت اندیش ہوا کرتا ہے
آج کیوں یاد تجھے اپنے ہی اقوال نہیں

تنت کے وقت میں اپنوں سے نہ منہ پھیر کہ تو
دولت اسلام کی ہے کفر کا اقبال نہیں

دین کی لِم

پیمبر سے سفیان نے عرض کی
کہ سمجھائیے دین کی مجھ کو لِم

بھرا کوزہ میں دجلہ یوں آپ نے
"قُل آمنتُ باللہِ ثم استقم"
(حدیث)

۱؎ پرنس آف ویلز جو بعد میں ایڈورڈ ہشتم کے لقب سے تخت برطانیہ پر بیٹھے۔

لمعات

میانوں سے نکل آئیں تڑپ کر پھر وہ شمشیریں
پلٹ دی ہیں جنھوں نے مشرق و مغرب کی تقدیریں

وہ شمعِ مہر سیما پھر نگار آرائے محفل ہے
ہیں پروانے کی خاکستر میں رقصاں جس کی تنویریں

پڑا ہے زلزلہ دنیا میں پھر لزبن سے پیکن تک
بلند اک ساتھ ہوتی ہیں مسلمانوں کی تکبیریں

جکڑ سکتیں نہیں زندانیانِ حق کو ہتھکڑیاں
عبث ہیں سب یہ ترکیبیں غلط ہیں سب یہ تدبیریں

جنوں جب کارفرما ہو تو کام آتی نہیں اصلا
یہ تادیبیں یہ تہدیدیں یہ تنبیہیں یہ تقریریں

دھواں اٹھے تو سمجھو شعلہ بھی ہوگا بلند اس سے
نمایاں خود بخود آہوں سے ہو جاتی ہیں تاثیریں

ادھر انگورہ و کابل ادھر بغداد اور دہلی
وہ سب رحمت پیمبر کی یہ سب امت کی تقصیریں

وہاں توحید کی باتیں یہاں تثلیث کی گھاتیں
وہ سب مومن کی میراثیں یہ سب کافر کی جاگیریں

امان اللہ خاں اور مصطفےٰ کو دیکھ لو جا کر
نہ دیکھی ہوں اگر اسلام کی غیرت کی تصویریں

عجب کیا ہے کہ شردھانند بھی اک دن مسلماں ہو
لہو اسلام کا ٹپکے اگر کافر کا دل چیریں

ایمان کی شناخت

"رکھ لی زباں نے اس دلِ فسق آشنا کی شرم
علم اس کے وسوسوں کا اگر ہے خدا کو ہے"

یہ وارداتِ قلبِ صحابِ کبار کی
سن کر کہا نبی نے کہ "ایمان یہی تو ہے"

(حدیث)

آصف جاہِ ہفتم کی یاد میں

دُھلا نہیں ہے گل و لالہ کا غبار ابھی
برس کچھ اور ابھی اے ابرِ نو بہار ابھی

زبانِ حال سے کہتا ہے قصرِ زار ابھی
ہیں عنکبوت کے گھر میں بہت سے تار ابھی

نہ ہیپسبرگ[1] ہی باقی رہے نہ رومیناف[2]
مٹیں گے اور بھی یورپ کے نامدار ابھی

کیا جنھوں نے محمد کے دین کو رُسوا
وہ ہونے والے ہیں خود بھی ذلیل و خوار ابھی

بدل چکا ہے بدلتا ہے اور بدلے گا
بہت سے رنگ یہ چرخِ ستیزہ کار ابھی

عجب نہیں ہے کہ بیدار ہونے والا ہو
نئی ادا سے کوئی فتنۂ تتار ابھی

نقاب اُلٹ کے تجلی دکھانے والا ہے
سوادِ مشرقِ وسطےٰ کا شہسوار ابھی

نہیں کرشمۂ ساقی کی اس میں کچھ تقصیر
کچھ اہلِ بزم جو بیٹھے ہیں ہوشیار ابھی

نگاہِ ناز سے کیا شکوہ بوالہوس کو، اگر
نہیں ہوا ہے یہ ناوکِ جگر کے پار ابھی

ہے اُس پہ حیف جو کہلائے مصطفےٰ کا غلام
مگر ہوا نہ خلافت پہ ہو نثار ابھی

اگرچہ جنگ سے انگریز جی چراتے ہیں
نہیں ہے صلح کا لیکن کچھ اعتبار ابھی

کمی نہیں اسد اللّٰہیوں کی دنیا میں
اور اُن کی تیغ ہے ہمرنگِ ذوالفقار ابھی

زمانہ جس کی تجلی سے جگمگا اُٹھا
ہے جلوہ ریز وہ خورشیدِ زرنگار ابھی

محمدِ عربی کے جلال کا پرتو
ہے شکلِ غازیِ اعظم سے آشکار ابھی

جنابِ حضرتِ عبدالمجید خاں کے لئے
کھنچا ہوا ہے وہ آفت ربا حصار ابھی

جسے محاصرۂ کفر سے چھڑانے کو
پڑا ہے لشکرِ اسلام بے شمار ابھی

خدا بھی زندہ ہے اُس کا کلام بھی زندہ
اساسِ سطوتِ کبریٰ ہے استوار ابھی

---

[1] آسٹریا کا شاہی خاندان [2] روس کا شاہی خاندان

حیاتِ دہر شہادت کے ساتھ ملتی ہے
فنا کی رمز بقا کی ہے رازدار ابھی

دکن کے باغ میں چھائی ہوئی تھی خاموشی
سُنا ہے میں نے مگر نغمۂ ہزار ابھی[1]

یہ نغمۂ موسمِ گل کی کہیں نہ ہو تمہید
مرے قفس کی فضا کو ہے جس سے عار ابھی

خدا کا سایہ ترے سر پہ آصفِ ہفتم
کہ تُو ہے ہند میں ملّت کا افتخار ابھی

چھپا سکی نہ زباں تیری رازِ سوزِ دروں
ہے جس سے سینۂ اسلام داغ دار ابھی

ہے یہ بھی رحمتِ پروردگارِ عالمیاں
کہ ہیں زمانہ میں تجھ جیسے تاج دار ابھی

ہیں تر زباں تری تعریف میں ضرور انگریز
دبلائے بیٹھے ہیں ظالم مگر بہار ابھی

دکن بھی دولتِ کابل کی طرح ہو آزاد
بڑھے کچھ اور بھی اسلام کا وقار ابھی

سفینۂ اُمّت

خزاں رسیدہ چمن کو طیورِ زمزمہ سنج
نویدِ آمدِ فصلِ بہار دیتے ہیں

زمانہ قید کا برطانیہ کے زندانی
مصیبتوں میں خوشی سے گزار دیتے ہیں

وہاں بڑھی ہوئی جتنی ہے منزلت جس کی
یہاں اُسی قدر اُس کو فشار دیتے ہیں

نبی جہاز سے طوفاں میں اپنی اُمّت کو
کنارہ پر بسلامت اُتار دیتے ہیں

دکن رہے جو سلامت یہی غنیمت ہے
وہ کب نظام کو واپس برار دیتے ہیں

---

[1] یہ کہہ رہی ہے پلٹ کر نگاہِ یار ابھی
زمانہ اور بھی بدلے گا ایک بار ابھی
(میر عثمان علی خان)

زندگی

برتراز اندیشۂ دار و رسن ہے زندگی
کشفِ اسرارِ "انا" و "ما" و "من" ہے زندگی

رینگتے کیڑے میں اور تجھ میں رہا کیا فرق، اگر
ہم نشیں محض اتحادِ جان و تن ہے زندگی

دوسروں سے اپنی ہستی کا کرانا اعتراف
جس سے پیدا یہ لیاقت ہو وہ فن ہے زندگی

زندگی ہے اس سے بھی پاکیزہ تر جذبے کی رُوح
گرچہ جوشِ جذبۂ حُبِّ وطن ہے زندگی

درد ہو دل میں تو مٹ جاتا ہے فرقِ نسل و رنگ
دل کے اندر سارے عالم کی لگن ہے زندگی

زندگی ہے گردشِ پیمانۂ جامِ الست
شیوۂ تجدیدِ پیمانِ کہن ہے زندگی

پھیلتی اور پھولتی پھلتی ہوئی وہ شاخِ سبز
جس سے ہو کمافِ گُل سینے میں جلن ہے زندگی

رہ نوردِ کعبہ سے اس کی حقیقت پوچھ دیکھ
پاؤں کے چھالے میں کانٹے کی چبھن ہے زندگی

جب نقاب اُلٹا تو تھی اک مامِ دیرینہ سال
یوں بظاہر اک بنی سنوری دلھن ہے زندگی

ہے اسیری مجھ ستم کش کے لئے لطفِ حیات
حضرتِ اقبال کو لطفِ سخن ہے زندگی

سعادتِ ازلی

اللہ کے جوارِ رضا سے کبھی جُدا
کرتی نہیں شقی کی معیّت سعید کو

شیطان ساتھ ساتھ بشکلِ یزید تھا
لیکن یزید کر نہ سکا بایزید کو

اورنگ زیب کی زُنّار سوزیوں کا افسانہ

کہتے ہیں کھانا نہ کھاتا تھا کبھی اورنگ زیب
بتکدے جس وقت تک دوچار ڈھا لیتا نہ تھا
تکیہ مسند پر لگا کر وہ نہ بیٹھا تھا کبھی
مندروں کی مسجدیں جب تک بنا لیتا نہ تھا
بات تک کرنی اُسے دشوار تھی دربار میں
کلمہ جب تک بت پرستوں کو پڑھا لیتا نہ تھا
لوٹتا رہتا تھا انگاروں پہ اگلی صبح تک
آگ میں زنّار اگر من بھر جلا لیتا نہ تھا
تیغ کو رکھتا تھا عریاں ہاتھ میں جس وقت تک
ہندوؤں کے خوں سے پیاس اس کی بجھا لیتا نہ تھا
کوئی دن ایسا نہیں گزرا ہے اُس کے عہد میں
جب وہ گنتی کلمہ گویوں کی بڑھا لیتا نہ تھا

گر یہ سچ ہے پھر یہ سب ہندو کہاں سے آگئے؟
ہوں گے تارے ٹوٹ کر جو آسماں سے آگئے!

آموختہ

کیا حکومت نے چند دن کے لیے جو زنداں میں بند تجھ کو
تو شکرِ حق کر کہ راہِ حق میں پہنچ رہا ہے گزند تجھ کو

جس آزمائش میں پڑنے والے حیاتِ جاوید پا چکے ہیں
اُس امتحاں کے لئے کیا ہے ترے خُدا نے پسند تجھ کو

جو تجھ کو صیاد چھوڑ دیتا سمجھ کے صیدِ زبوں تو کیا تھا
کشاں کشاں لے گئی حرم تک مگر خود اُس کی کمند تجھ کو

حسینؓ کا سر ہے آسماں پر کہ رہ چکا تھا کبھی سناں پر
تو کم سے کم سربکف تو ہو جا جو سر ہے کرنا بلند تجھ کو

بھرا ہؤا زہر کا پیالہ جو آگے آئے تو اس طرح پی
کہ گھول کر دے رہا ہے گویا حریف ساغر میں قند تجھ کو

زمیں کو لرزا فلک کو چکرا عرب کو گرما عجم کو تڑپا
ملا ہے فطرت کی ارجمندی سے دل اگر دردمند تجھ کو

وہی ہو اندازِ بسملی کا جو شیوۂ ترکِ نیم جاں ہے
اگر کٹانا پڑے محمد کے نام پہ بند بند تجھ کو

یہ چند نکتے ہیں اُس سبق کے جو تو کئی بار پڑھ چکا ہے
وہی سمجھائی ہوئی حقیقت سمجھاؤں پھر تا بچند تجھ کو

مضٰی ما مضٰی

کچھ آج اپنی مصیبت کا ماجرا کہئے
مگر جو کہئے وہ سچ کہئے اور بجا کہئے

ہر اک جفا کی حقیقت الگ الگ لکھئے
ہر ایک ظلم کا قصّہ جُدا جُدا کہئے

کبھی خود اپنے چلن کی بُرائیاں گنئے
اور اُس کو اپنی خرابی کی ابتدا کہئے

کبھی عدو کی روش کی شکایتیں کیجے
اور اُس کو اپنی تباہی کی انتہا کہئے

درازیِ شبِ فرقت کی داستاں ہیں اگر
کمی رہی ہو تو کوتاہیِ قضا کہئے

عرب کی خاک اڑی، ہو گیا عجم پامال
ستم ہوئے ہیں وہ اسلام پر کہ کیا کہئے

یہ کیا غضب ہے کہ گھر کو لگا کے آپ ہی آگ
پھر اس کو شومیِ تقدیرِ نارسا کہئے

کیا ہے حملہ خود اپنی ہی فوج پر ہم نے
ستم ہے اس کو بھی دشمن کی گر خطا کہئے

ہماری تیغ ہمارے ہی خوں میں تیر گئی
اسے بھی شوق سے قاتل کی اک ادا کہئے

جھکا ہوا علم اب سر بلند ہے تو اُسے
حضورِ خواجۂ کونین کی دُعا کہئے

رگِ حرم سے بہا ہے جو خونِ ناب اس کو
عروسِ بخت کی رنگینیِ حنا کہئے

عجم کی خاک ہے گلرنگ خونِ مسلم سے
اُسے قبا تو اسے تکمۂ قبا کہئے

دلِ عرب کبھی ترکوں سے مل نہ سکتا تھا
ملا تو اس کو خلافت کا خوں بہا کہئے

برغمِ عیسٰیِ مریم لما سبقتانیٔ
نہ کہئے بلکہ جو کہئے تو "ما قتلیٰ" کہئے

برسمِ مومنِ قانت شبِ بلا سر سے
جو ٹل گئی تو مضٰی کہہ کے ما مضٰی کہئے

نہیں رہا ہے درازدازیٔ رقیب کا خوف
اب اُٹھ کے بزم میں جو کہئے برملا کہئے

بقولِ غالبؔ اگر پار اُتر گئی کشتی
"خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہئے"

کنیا

وہ جو خود غلام بن کر دیئے جاتے ہیں دہائی — کہ سکھائی جا رہی ہے اُنھیں بندگی پرائی
جنھیں بندشِ زباں کا ہے خطر قدم قدم پر — بقصورِ حرف گیری بخطائے لب کشائی
یہ ہے جن کی آج عزت کہ خود اپنے گھر کے اندر — کوئی جلسہ کر جو بیٹھے تو پولیس دوڑ آئی
جنھیں اپنی کونسلوں میں ہے یہ اختیار حاصل — کہ خود اپنے قیدیوں کو نہ دلا سکے رہائی
جنھیں اپنی ہی زمیں پر جنھیں اپنے ہی وطن میں — نہیں مل سکے ہیں اب تک یہ حقوقِ ابتدائی
کوئی مدعا بھی جن کا نہیں ہو سکا ہے پورا — کوئی آرزو بھی جن کی نہیں آج تک بر آئی
ہے خدا کی شان یہ بھی کہ وہ بُت اکڑ اکڑ کر — چلے جا رہے ہیں کنیا کہ وہیں کریں خدائی

بحوالہ عراقی کوئی جا کے ان سے پوچھے
"تو درونِ در چہ کردی کہ برونِ خانہ آئی"

منصور

مجھ سے ملنے کے لئے زنداں میں منصور آ گیا — ڈھونڈتی تھیں جس کو آنکھیں چشمِ بد دور آ گیا
جس مکاں میں تھا اندھیرا اُس میں پھیلی روشنی — چیر کر ظلمت کے پردے آنکھ میں نور آ گیا
جانِ بابا اس سیہ خانے میں تم کیوں آ گئے — میں تو ہو کر اپنی اس عادت سے مجبور آ گیا

اس کا رونا اس کا ہنسنا اس کی شوخی اس کی ضد
مجھ کو یاد اختر ترے بچپن کا دستور آ گیا

سوا راج

ہے کل کی ابھی بات کہ تھے ہند کے سرتاج
دیتے تھے تمھیں آ کے سلاطین زمن باج

یا رنگ زمانہ نے یہ بدلا ہے کہ تم کو
دُنیا کی ہر اک قوم سمجھتی ہے ذلیل آج

دامانِ نگہ جس کی فضا کے لئے تھا تنگ
وہ باغ ہُوا دیکھتے ہی دیکھتے تاراج

محفل میں ضیا بیز نہ ساقی ہے نہ ساغر
گلشن میں نوا ریز نہ صُلصُل ہے نہ درّاج

سوچو تو ذرا، تم کو تمھارا ہی سفینہ
کیوں ہو گیا بازیچۂ زخّاریٔ امواج

ہر برق جو کوندی ہے گری ہے وہ تمھیں پر
ہر فتنہ جب اُٹھتا ہے تمھیں بنتے ہو آماج

جب تک رہے تم دستِ نگر اپنے خُدا کے
ہونے نہ دیا اُس نے تمھیں غیر کا محتاج

جس وقت مگر ہاتھ سے سر رشتہ رضا کا
چھُوٹا تو نہ تھا بخت نہ تھا تخت نہ تھا تاج

جھک جاؤ گے اب بھی اگر اللہ کے آگے
بن جاؤ گے گر خاکِ درِ صاحبِ معراج

مٹی بھی اُچھالو گے تو ہو جائے گی سونا
کنکر بھی اُٹھا لو گے تو بن جائے گا پکھراج

جو ہو گئے اُس کے وہ ہُوا اُن کا نگہباں
اُس کی ہے جنھیں شرم ہے اُن کی بھی اُسے لاج

ترکوں ہی کو دیکھو کہ جب اُس پہ ہوئے قرباں
یورپ کی دھری رہ گئی سب کثرتِ افواج

داتا کی یہ ہے دین، ہیں رنگ اُس کے نیارے
مانگے نہ ملی بھیک نہ مانگا تو ملا راج

اک سجدہ میں حاصل ہوئے جاتے ہیں دو عالم
وہ کیوں نہ کرو بات کہ اک پنتھ ہو دو کاج

مٹ جاؤ مگر حق کو نہ مٹتے ہوئے دیکھو
سیکھو یہ روش گر تمھیں لینا ہے سوا راج

فتنۂ ارتداد اور علمائے کرام

شکر ہے حجروں سے نکلے ہیں ہمارے پیشوا
تاکہ دنیا میں بلند اسلام کا جھنڈا کریں

دھوئیں صدہا سال کے چپکے ہوئے داغِ جمود
ملّتِ بیضا کا میلا پیرہن اجلا کریں

کھینچ لایا تھا جسے ذوقِ عمل اجمیر تک
اپنے اندر وہ مقدّس جذبہ پھر پیدا کریں

زورِ حق سے قوتِ باطل کو پہنچا کر شکست
دیں کی رکھ لیں آبرو اور کفر کو رسوا کریں

دعوت وارشاد سے توڑیں طلسمِ ارتداد
فتنۂ شدھی کا جو اُٹھا ہے اسے چلتا کریں

سینہ میں قرآں ہو اور ہو آنکھ کے تل میں جہاں
کوزہ میں دریا کو بھر دیں ذرّہ کو صحرا کریں

مَا طغیٰ کا لائیں کاجل چشمِ بینا کے لئے
والضحیٰ سے دیدۂ بدبیں کو نابینا کریں

دیکھیں منکم کے اک افسوں سے بدلیں رنگِ ہند
منظر ایسا ہو کہ بیٹھے مدّعی دیکھا کریں

ہیں مبارک عالمانِ دیں کی یہ سرگرمیاں
جن سے ہے ملّت کی رونق لیکن اس کو کیا کریں

پڑ گئی ہے ہادیوں کے بیچ میں آکر یہ بحث
پہلے ہم رہرو کو یا گمراہ کو سیدھا کریں

مسئلہ یہ ہے کہ پہلے اپنے گھر کی لیں خبر
رہ گئے سب پائمال کے شردھانند بڑھاوا کریں

مشرکوں کو جا کے سکھلائیں الوہیت کے بھید
یا شریکِ خواجۂ یثرب کے راز افشا کریں

ہے مناسب اول اول نشر و توزیعِ فروع
یا اصولِ اوّلیں کا اوّل استقصا کریں

ہو بریلی قائد اس تحریک کا یا دیوبند
اس کو مانیں مقتدا یا اتباع اس کا کریں

عالمانِ دیں ہی جب ہنگامہ آرا ہوں بہم
اے مسلمانو! یہ بتلاؤ کہ اب ہم کیا کریں

شانِ اورنگ زیب

ہزاروں دولتوں کا اُڑ چکا ہوگا غبار اب تک
مگر ہے شانِ عالمگیرِ اعظم برقرار اب تک

قدم پہنچے ہیں بیگانوں کے خود اکبر کی تربت پر
نہیں رَوندا گیا ان سے مگر اُس کا مزار اب تک

وہ سویا بھی تو اپنے سایۂ دیوار کے نیچے
ہے خود اپنے ہی گھر کی دولت اس کی پہرہ دار اب تک

سُنی جاتی ہے للکار اُس کے چاؤشوں کی رستوں پر
گزرگاہوں میں ہے اس کے نقیبوں کی پکار اب تک

ابھی تک اُس کی چوکھٹ پر جبیں سا اُس کی حشمت ہے
بجا لاتے ہیں آداب اُس کو اُس کے صوبہ دار اب تک

اک آنے والی اسلامی حکومت کے تصور میں
لحد میں بھی کھلی ہے اُس کی چشمِ انتظار اب تک

وہی سب ہے اُس کی دارائی وہی اُس کی سلیمانی
کہ یاد اُس کی دلاتا ہے دکن کا شہریار اب تک

بین الاقوامی اُلجھنیں

روس زخمی ہے تو المانیہ ہے بے پر و بال
رہا اٹلی سو ہے بیچارے کی اکھڑی ہوئی سانس

پڑ نہیں سکتی بھتیجے پہ چچا سام کی زد
جس سے اندیشۂ ایذا ہے وہ طاقت ہے فرانس

شیرِ برطانیہ ان سب کو پچھل سکتا ہے
نہ جگر میں ہو جو اٹکی ہوئی اسلام کی پھانس

نیلِ نمرود کو ڈر ہے تو فقط اتنا ہے
کہ کہیں دجلہ کی دلدل سے نکل آئیں نہ ڈانس

پھرتے ہیں اہلِ فلسطین بھی باندھے ہوئے لٹھ
اور ربّی سے چلے جاتے ہیں بانس پہ بانس

مدارجِ ارتقا

مصائب میں گرفتار اہلِ ایماں ہوتے جاتے ہیں
مسلمانوں کی بیداری کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

سکھایا جا رہا ہے نکتہ "اوذوا فی سبیلی" کا
حق آگاہانِ اُمّت پا بجولاں ہوتے جاتے ہیں

علم تیغِ دو دم اُن کی سرِ تسلیم خم اپنا
وہ حیواں بنتے جاتے ہیں ہم انساں ہوتے جاتے ہیں

ستم کش کو خدا نے استقامت کا شرف بخشا
ستم گر اپنی سختی پر پشیماں ہوتے جاتے ہیں

خدائے غیب سے ساماں پیدا کر دیئے ایسے
کہ وہ عقدے جو لاینحل تھے آساں ہوتے جاتے ہیں

نئی شمعیں فروزاں ہو رہی ہیں بزمِ گیتی میں
نئے انجم فلک پر جلوہ افشاں ہوتے جاتے ہیں

نئے محمود پیدا ہو رہے ہیں خاکِ غزنی سے
نئے طغرل سریر آرائے ایراں ہوتے جاتے ہیں

نہیں تخصیصِ عہد اس میں محمدؐ کے غلام اب بھی
سکندر بنتے جاتے ہیں سلیماں ہوتے جاتے ہیں

خلافت کے علمبرداروں کی چتونوں میں یہ ہیبت ہے
کہ دنیا بھر کے سرکش خس بدنداں ہوتے جاتے ہیں

نیا زمانہ اور نئی اُمیدیں

نئی رونق شبستاں کی ضیا میں آتی جاتی ہے
نئی زینت گلستاں کی فضا میں آتی جاتی ہے

نیا آہنگ چھیڑا ہے چمن میں عندلیبوں نے
گدازِ جاں کی کیفیت نوا میں آتی جاتی ہے

ہر اک سانس آتشِ سیّال میں ڈوبا ہوا نکلا
شرابِ کہنہ کی مستی ہوا میں آتی جاتی ہے

قدم رکھتے ہی خارستاں بنے جس سے بہارستاں
وہ شوخی پھر کسی کے نقشِ پا میں آتی جاتی ہے

مسلمانوں نے تھاما ہے رسول اللہ کا دامن
سمٹ کر چاندنی غارِ حرا میں آتی جاتی ہے

اُتر کر عرش سے جو ساتھ لائی تھی اجابت کو
وہ تاثیر آج پھر اُن کی دعا میں آتی جاتی ہے

ہوئی تھی خیرہ جس سے شمرِ ذی الجوشن کی بینائی
اُس ایماں کی جھلک پھر کربلا میں آتی جاتی ہے

جسے خیبر میں بازوئے علی نے آزمایا تھا
وہ طاقت پنجۂ زور آزما میں آتی جاتی ہے

کونسلوں کے شیدائی

یہ سچ ہے کہ دلکش ہے تقریر تیری
یہ مانا کہ حاصل تجھے ووٹ بھی ہے

شمار اور اعداد ہیں تجھ کو ازبر
بغل میں ایجنڈے کی اک پوٹ بھی ہے

کسی مصلحت سے بہ تقلیدِ گاندھی
کسا تو نے گاڑھے کا لنگوٹ بھی ہے

مگر اُٹھ کے محفل کو جو تلملا دے
ترے دل میں اُس درد کی چوٹ بھی ہے؟

جشنِ صلح لوزان

جس وقت جشنِ صلح کے گھر گھر جلے چراغ
سمجھا یہ میں کہ ہے یہ چراغاں مرے لئے

اُتریں گی آسماں سے فرشتوں کی ٹولیاں
کھولیں گی حلقۂ درِ زنداں مرے لئے

ممکن کسی طرح یہ نہیں ہے کہ آج بھی
صبحِ وطن ہو شامِ غریباں مرے لئے

برسوں مرے چمن میں خزاں کا عمل رہا
پھر کیوں نہ ہو بہارِ گل افشاں مرے لئے

اس پر یہ ایک حامیٔ سرکار نے کہا
تیرے لئے نہیں ہے یہ ساماں مرے لئے

تھی تیرے دم سے رونقِ ہنگامہ شام تک
اب ہے غرورِ حلقۂ زنداں مرے لئے

تو خوگرِ جفا ہے تو میں پیکرِ وفا
آنسو ترے لئے ہیں چراغاں مرے لئے

تو عاقبت شناس ہے میں عافیت پسند
زنداں ترے لئے ہے گلستاں مرے لئے

عقبیٰ تری عروس ہے دنیا مری کنیز
موزوں ترے لئے وہ یہ شایاں مرے لئے

تیرے لئے حریمِ رسولِ خدا کی خاک
اور وائسرائے ہند کا داماں مرے لئے

طاعت ترے لئے ہے مرے واسطے ثواب
روزے ترے لئے ہیں سویاں مرے لئے

رشتۂ اسلام

ہٹے بالشت بھر بھی تم اگر ملت کے دامن سے
تو کٹ کر گر پڑے گا رشتۂ اسلام گردن سے

(حدیث)

قانونِ وقت

حق کا نہ کر اظہار کہ قانون یہی ہے — فرماتی ہے سرکار کہ قانون یہی ہے

خود محتسبِ وقت ہے اک رندِ بلانوش — مے سے نہ کر انکار کہ قانون یہی ہے

ہے جرم یہ جس کا کہ خدا ایک ہے اُس کا — ہوگا وہ گرفتار کہ قانون یہی ہے

ڈھائیں جو ترے سامنے اللہ کے گھر کو — بن نقشِ بدیوار کہ قانون یہی ہے

کیڑوں کی طرح پیٹ کے بل رینگ کر اُن کو — شکریہ کے دے تار کہ قانون یہی ہے

فتویٰ علما کا ہو کہ گاندھی کی نصیحت — دونوں سے ہو بیزار کہ قانون یہی ہے

گدی سے اُتر راج کو چھوڑ اور کر اقرار — ہوں میں ہی خطاوار کہ قانون یہی ہے

اس پردۂ زنگار میں نغموں کے عوض سُن — زنجیر کی جھنکار کہ قانون یہی ہے

آوازۂ منصور کو کہتے ہوئے لبّیک — دوڑے رسن و دار کہ قانون یہی ہے

جینے کی تمنا ہو گر اس عہد میں تجھ کو — مرنے کو ہو طیار کہ قانون یہی ہے

گھر بار لُٹانا ہو جسے حق کی طلب میں
بن جائے "زمیندار" کہ قانون یہی ہے

اطاعت و استطاعت

جب اک دن سرورِ کون و مکاں کے دستِ اقدس پر — سمعنا اور اطعنا کہہ کے کچھ لوگوں نے بیعت کی

تو شانِ رحمۃ للعالمینی کا تقاضا تھا — کہ اس بالسمع والطاعۃ میں بھی قیدِ استطاعت کی

(حدیث)

مسٹر لائڈ جارج کے استعفا کی تاریخ

گلیڈسٹون اور سالسبری کی سب عنایت ہے
وگرنہ اس طرح برطانیہ بدنام کیوں ہوتا

جو کہلاتے ہیں لبرل گر حقیقت میں یہی ہوتے
تو گھر گھر ایشیا میں یوں مچا کہرام کیوں ہوتا

اگر تہذیبِ انسانی انھیں چھو بھی گئی ہوتی
سمرنا میں مسلمانوں کا قتلِ عام کیوں ہوتا

مسیحیت اڑاتی خاکِ نخلستانِ بطحا کیوں
مسیحی کا گریباں گیرِ خونِ شام کیوں ہوتا

اِدھر دہلی کے سر پر اک قیامت کیوں گزر جاتی
اُدھر کابل میں آتش زیرِ پا اسلام کیوں ہوتا

سکھاتی گر نہ لائڈ جارج کی تلوار خونریزی
تو خنجر مصطفےٰ کا آج خون آشام کیوں ہوتا

ملوکیت کی زد میں گر نہ استنبول آجاتا
تو پھر انگورہ اس کی موت کا پیغام کیوں ہوتا

نکلتا گھر سے قسطنطین کیوں بے آبرو ہو کر
وینزیلاس خائبِ خاسر اور ناکام کیوں ہوتا

صلیب آلودۂ خاکِ مذلت کیوں نظر آتی
ہلال آسودۂ گردونِ نیلی فام کیوں ہوتا

سلیقہ گر قدح خواری کا ہوتا کچھ بھی نادوں کو
تو خود ساقی کے ہاتھوں واژگوں یہ جام کیوں ہوتا

نہ ہوتا ابتدا ہی سے اگر اسلام کا دشمن
تو لائڈ جارج کا ایسا برا انجام کیوں ہوتا

نہ ضد اس بانیِ بیداد کو ہوتی خلافت سے
تو مستعفی بصد حسرت یہ نافرجام کیوں ہوتا

صفتِ بیداد [۲۱] کی ہوتی نہ گر اس نام میں شامل
تو قولِ ہاتفِ "اترا شحنۂ مردک نام" [۱۳۲۰] کیوں ہوتا

[سنہ ۱۳۴۱ھ]

خیالستان

اک جہانِ رنگ و بو خود مرا خیال تھا
گوشۂ قفس مجھے عالمِ مثال تھا

رات شاہبازِ فکر لے گیا کہاں کہاں
خود تو میں شکستہ پر اور گسستہ بال تھا

چھپ چکا تھا آفتاب ضَو فشاں تھا ماہتاب
کائنات کا مزاج رو بہ اعتدال تھا

کوہ و دشت و بام و در غرقِ موجِ نور تھے
بس کہ ماہِ نیم ماہ بن چکا ہلال تھا

چاک تھی قبائے گل بے نقاب تھے نجوم
بے حجاب ہر طرف حُسنِ لایزال تھا

دیکھتا تھا میں جدھر سر بسجدہ تھے شجر
ڈال ڈال پات پات ذکرِ ذوالجلال تھا

عرش و فرش مست تھے اپنے اپنے رنگ میں
کیا کہوں مگر کہ کیا میرے دل کا حال تھا

وہ زمانہ پھر گیا یک بیک نگاہ میں؛
جب ہر ایک حق پرست بوذر و بلال تھا

جب نبیؐ کے نام پر جسم و رُوح تھے نثار
جب خُدا کی راہ میں وقفِ جان و مال تھا

جامِ جم سے بے نیاز تھی شرابِ خانہ ساز
مے کشوں کا چارہ ساز ساغرِ سفال تھا

باغ میں وہی بہار پھر بھی آئے گی کبھی؟
حاملانِ عرش سے یہ مرا سوال تھا

ہمزباں نہ تھے مگر میں سمجھ گیا مُراد
میری بات کا جواب "مصطفےٰ کمال" تھا

خطاب بہ برطانیہ

نہ سوویٹ سے نہ ایراں کے کجکلاہ سے ڈر
مگر ستم زدہ ہندوستاں کی آہ سے ڈر

نہ ڈر فرانس کے نیزوں کی خونفشانی سے
مگر ہماری دعاہائے صبح گاہ سے ڈر

نہ ڈر خدا سے اور اُس کے عتاب سے لیکن
نبیؐ کی غصے میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے ڈر

الگ الگ رہے برسوں ملے ہیں اب آکر
دل اور عقل کی اس تازہ رسم و راہ سے ڈر

جو عقل ہے تو سُن ان مخلصانہ باتوں کو
جو ہوش ہے تو ہمارے اس انتباہ سے ڈر

الجنّۃ تحت ظِلال السیّوف

کہتے ہیں یہ صوفی کہ ہے فردوس حق اُس کا
جس پہ ہو شکر گنج کی دیوار کا سایہ

لیکن ہے پیمبرؐ کا یہ ارشاد کہ جنّت
ملتی ہے اُسے جس پہ ہو تلوار کا سایہ

صُوفی ہے وُہی جس کو خُدا سے ہو سروکار
صُوفی وہ نہیں جس پہ ہو سرکار کا سایہ

اے گولڑہ کے پیر نہ ڈر دار و رسن سے
جب خود سرِ منصور پہ ہے دار کا سایہ

اللہ کا سایہ ہے "زمیندار" کے سر پر
پنجاب کے سر پہ ہے "زمیندار" کا سایہ

بلند شہر کا مجسٹریٹ اور مظلوم بیاگی

اک سر پھرے انگریز نے جب بر سرِ اجلاس
لگوائے پیادوں سے دہا بیر کو چانٹے

اتنا بھی نہ ہٹلر کی حکومت سے بن آیا
اس اپنے نمائندۂ انصاف کو ڈانٹے

جس روز بکھیرے گئے انصاف کے یہ پھول
برطانیہ کے رستہ میں بوئے گئے کانٹے

اس ظلم پہ اس جور پہ جو بیکسی بیداد
عدل اور مساوات کا بھی فلسفہ چھانٹے

اچھا ہے کہیں اس سے تو لندن کا وہ اندھا
پھر پھر کے مٹن چاپ جو اپنوں ہی میں بانٹے

پھرتی ہوئی رت

گلستاں میں پھر اس انداز سے فصلِ بہار آئی
کہ یادِ یار دل میں آئی اور بے اختیار آئی

نسیمِ عنبر افشاں کارواں در کارواں پہنچی
سپاہِ گل صف اندر صف قطار اندر قطار آئی

نوازش گستریِ سرکارِ یثرب کی انوکھی ہے
گلیمِ فقر پر ہے مستزاد اکلیل دارائی

مرا جلتا ہوا گلشن یکایک لہلہا اٹھا
نظر مجھ کو تری قدرت مرے پروردگار آئی

مسلمانوں کے خوں سے ہو رہے ہیں بام و در رنگیں
عروسِ سلطنت کی ہو رہی ہے حجلہ آرائی

اڑے جس وقت قسطنطین کے اقبال کے ذرّے
تو استقبال کو لندن سے گردِ روزگار آئی

جمعیۃ العلما کے فتوے کی ضبطی

باقی نہ رہا جب کوئی ڈھنگ اور جفا کا
فتویٰ ہی لیا چھین انھوں نے علما کا

کر دیکھیں دلِ مسلمِ ناشاد کو بھی ضبط
اس پر بھی وہ ڈالیں اسی انداز سے ڈاکا

فتویٰ تو پھر اک پُرزۂ کاغذ ہے کہ اس کو
بازیچہ بنا سکتی ہے سرکار ہوا کا

قرآن کی آیات کو کاغذ سے مٹا دو
اور چھاپ لو اس پر سبق اقرار وفا کا

یا اس کو بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جلا دو
پھر کام لو اس سے خطِ پاشاں کی ضیا کا

لیکن دلِ مسلم نہیں کچھ آپ کی جاگیر
یہ گوشہ نشیمن ہے رسُولِ دوسرا کا

تھامے ہوئے رہتے ہیں اسے عرش کے حامل
یہ پایہ ہے تختِ شہِ لولاکَ لما کا

لوحِ دلِ مومن پہ ہے منقوش ابد تک
قرآں کہ خلاصہ ہے وہ منشورِ قضا کا

مٹتا ہے مٹائے سے کہیں نامۂ تقدیر
قانون کہیں ضبط ہوا بھی ہے خدا کا!

اسلام کی شناخت

اللہ کو پسند ہیں دو خصلتیں تری
جو تیری جانب اُس کو دلاتی ہیں التفات

مُسلم ہے بُردبار بھی اور ذی وقار بھی
اسلام کی شناخت ہے الحلم والاناۃ

(حدیث)

کھری کھری باتیں

محو ہوئے معاش میں بھول گئے معاد کو
پیشِ نظر نہ رکھ سکے حشرِ ثمود و عاد کو

رازِ حیات، قوم تھا مستتر اجتماع میں
قوم ذریعۂ نجات سمجھی ہے انفراد کو

محو دلوں سے ہو گئی آیۂ "لاتفرقوا"
چھوڑ دیا ہے ہاتھ سے رشتۂ اقتصاد کو

حکمتِ نص "ولکن" پر نہ کیا جنھوں نے غور
بیٹھ کے رو رہے ہیں آج فتنۂ ارتداد کو

کفر ہے دیں کی تاک میں اب تو مٹاؤ تفرقے
حیف ہے اب بھی راہ دو دل میں اگر عناد کو

حکم ہے راجپوت کو سامریانِ ہند کا
گائے کے آگے سر جھکا چھوڑ خدا کی یاد کو

مشعلِ دیں کی سمت میں چل نہ سکی ہزار سال
آج ہے کیوں یہ حوصلہ کفر کی تُند باد کو

ہاتھ میں لے کے سنگ و خشت بت شکن اور بت پرست
توڑ رہے ہیں ہند کے شیشۂ اتحاد کو

قوم جو ہو چلی تھی ایک کائی کی طرح پھٹ گئی
آج پہنچ گئے عدو اپنی دلی مراد کو

جلد اگر نہ اس نے کی فتنہ گروں سے باز پرس
کھو کے رہے گی کانگرس ملک کے اعتماد کو

خانۂ خدا کی حضوری

مسجد کو بسایا بھی اُسی شخص نے جس کو
توحید میں اور روزِ جزا میں نہ رہا شک

حاصل ہو حضوری جسے اللہ کے گھر کی
اُس مردِ مسلماں کے ایمان میں کیا شک

(حدیث)

خطابِ چہارگانہ

۱۔ ملکانوں سے

ترک کر تقلیدِ آبا بن خلیل اور بُت کو توڑ
ماسوا کو چھوڑ ربّ العٰلمین سے رشتہ جوڑ

یاد کر "بُو لا ہُوا" "والرجز فاہجر" کا سبق
شرک کی رسموں سے باز آ کفر کی ریتوں کو چھوڑ

اُس نبیؐ کا تھام لے دامن جو ہے ختمِ رُسل
جس کی رحمت ہے دو عالم کی سعادت کا نچوڑ

چشمۂ دینِ محمدؐ خشک ہو سکتا نہیں
اس کنوئیں سے آ کے پانی بھر جو ہے پاتال توڑ

مذبذبین سے:

جا رہا ہے خود حرم کو ناقۂ منزل شناس
سارباں پڑ کر تذبذب میں مہار اس کی نہ موڑ

پرستارانِ موالات سے:

ووٹ لے، کونسل میں جا، کرسی پہ ڈٹ، تقریر کر
پھر وہی برسوں کی دہرائی ہوئی ہڈی بچھوڑ

سوامی جی سے:

یہ چٹان اسلام کی ہے اس سے ٹکراتا ہے کیوں
اپنے اوپر رحم کر پتھر سے اپنا سر نہ پھوڑ

ہند میں توحید کا جھنڈا نہ ہوگا سرنگوں
خواہ ہو کفار کی تعداد کتنے ہی کروڑ

اصلی جرم

وہ اعلان آج میں نے بھی پڑھا جس میں حکومت نے
گنایا ہے رضاکارانِ ملّت کے گناہوں کو
خدایانِ فرنگ اس میں یہ فرماتے ہیں جھلّا کر
کہ ہم دم لیں گے سیدھا کر کے ان گم کردہ راہوں کو
انھوں نے جب سے ٹوپی سر پہ گاندھی کی جمالی ہے
اسی دن سے نہیں خاطر میں لاتے کج کلاہوں کو
برس پڑتے ہیں جلسوں میں ہمارے جاں نثاروں پر
سُنا دیتے ہیں صلواتیں ہمارے خیر خواہوں کو
کبھی میخانہ میں پیرِ مغاں کو تنگ کرتے ہیں
ستاتے ہیں کبھی بازار کے جادہ نگاہوں کو
ہوا ہڑتال کا وہ زور ان کی کوچہ گردی سے
گزرنا ہو گیا شہروں میں مشکل بادشاہوں کو
اگر دو چار ہنٹر محتسب ان کو لگاتا ہے
تو پہنچاتے ہیں چوتھے آسماں پر اپنی آہوں کو
کہا اس پر یہ میں نے ہے گنہ اک اور بھی ان کا
سیاہی جس کی شرماتی ہے ان سارے گناہوں کو
یہ ان کا جرمِ اصلی ہے کہ ان کی چیرہ دستی سے
چھٹی کا دودھ یاد آیا ہے لندن کے جلاہوں کو

سنّتِ سجّاد

زنداں کے ہر اک گوشہ کو آباد کریں گے — ہم پیروئ سنّتِ سجّاد کریں گے

دار و رسن و قید کا ڈر اُٹھ گیا دل سے — اب کیا ستمِ تازہ وہ ایجاد کریں گے

یوں ہندو و مسلم کی کریں گے جو وہ تذلیل — اور ان پہ اسی ڈھنگ سے بیداد کریں گے

مٹی میں ملائیں گے وہ توقیر خود اپنی — آپ اپنی حکومت کو وہ برباد کریں گے

ہو جائیں گے ترکی و عرب خود بخود آزاد — جس روز کہ ہم ہند کو آزاد کریں گے

دہلی ہی نکلنے کو ہے جب ہاتھ سے اُن کے — کیا لے کے وہ پھر بصرہ و بغداد کریں گے

انگورہ بھی ترکوں سے نہ جب چھین سکا تو — برطانیہ ہم بھی تجھے کیا یاد کریں گے

سنتے ہیں کہ کرزن کے اشارہ پہ سر آغا — آئیں گے کہ ترکوں کی کچھ امداد کریں گے

وہ لیگ برس بھر میں بدلتی ہے جو کروٹ — اس مرتبہ آپ اُس میں کچھ ارشاد کریں گے

خسرو سے چھڑائیں گے ادھر دامنِ شیریں — شیریں کو ادھر مایلِ فرہاد کریں گے

لے جائیں گے اسلامیوں کا ایک نیا وفد — اس کے لئے چرچل سے طلب داد کریں گے

منوائیں گے پھر اس سے بصد منّت و الحاح — جو فیصلہ بھی آپ کے استاد کریں گے

کہہ دو یہ سر آغا سے کہ توحید کے فرزند — خود اپنے خدا سے طلب امداد کریں گے

ہرگز نہ گدائی کے لئے جائیں گے لندن — ترک آج سے یہ شیوۂ معتاد کریں گے

تھرائے گا عرش اور لرز جائے گی کرسی — مظلوم جب اللہ سے فریاد کریں گے

اسلام کے دربار سے جو فیصلہ ہوگا
انگریز اُسی فیصلہ پہ صاد کریں گے

خدا اور بُت

اک روز میں نے عرض یہ سرکار سے کیا
اے وہ کہ مجھ کو تجھ سے مجالِ سُخن نہیں

اے وہ کہ ہے زمیں تری ہیبت سے دم بخود
اور آسماں کو حوصلۂ دم زدن نہیں

اے وہ کہ تیرے غمزۂ خنجر گزار کو
پروائے جانِ شیخ و دلِ برہمن نہیں

اے وہ کہ تیرے دور میں قانون کا ادب
شرمندۂ روایتِ عہدِ کہن نہیں

سنتا ہوں میں کہ تیری مساواتِ بے بدل
منّت پذیرِ فرق الٰہ و وثن نہیں

پھر کیوں خدا کے گھر ہی کو ڈھایا حضور نے
بُت پر حضور کس لئے "بلئے بزن" نہیں

لارنس کا مجسمہ کیوں منہدم نہ ہو
کیا اس کے واسطے کوئی مشین گن نہیں

ٹالا مرے سوال کو اس عذرِ لنگ سے
سرکار سے جواب کچھ آیا جو بن نہیں

انگریز وحشیانہ تعصب سے پاک ہیں
محمود غزنوی کی طرح بت شکن نہیں

خرِ عیسیٰ

دی مولوی داؤد کو چڑی جو پولس نے
احباب نے پوچھا بہ تعجب کہ یہ کیا ہے

کیوں لد کے چلے دوشِ حکومت پہ حضور آج
حضرت کی سواری کا طریقہ یہ نیا ہے

فرمانے لگے ہنس کے کہ میں عالمِ دیں ہوں
اور مرتبہ سرکار میں عالم کا بڑا ہے

اس واسطے مرکب کے عوض فرطِ ادب سے
خود اپنے تئیں پیشِ حکومت نے کیا ہے

ہے فخر یہ مجھ کو کہ مری ران کے نیچے
خود حضرتِ عیسیٰ کی سواری کا گدھا ہے

امامِ تسبیح

وہ صبح صبح نہیں ہے وہ شام شام نہیں
بلائے تازہ کا جو لا رہی پیام نہیں

کھنچی ہوئی ہے بلیبار میں مہینوں سے
وہ تیغ اب بھی جو شرمندۂ نیام نہیں

کسی کو دار پہ کھینچا کسی کو ذبح کیا
یہ اور کیا ہے ہمارا جو قتلِ عام نہیں

بوقتِ ذبح وہ بسمل سے کہتے جاتے ہیں
یہ انتظامِ حکومت ہے انتقام نہیں

گریز ابھی سے کہاں ہو ابھی تو ہے تشبیب
قصیدہ اُن کی جفا کا ہوا تمام نہیں

وہ کون ہے جو نہیں آج کل اسیرِ فرنگ
سی۔ آر۔ داس نہیں یا ابوالکلام نہیں

تمام ملک ہے جکڑا ہوا شکنجے میں
پھر اس پہ کہتے ہیں ہندوستاں غلام نہیں

بحسرت اس پہ کہا ایک دوست نے مجھ سے
کہ اس گروہ میں شامل حسن امام نہیں

کسی سے حجب کہ وہ رندی میں کم نہیں ہیں تو کیوں
شکست توبہ میں سرگرمِ اہتمام نہیں

وکیل بھی ہیں تو نکلا نہ کیے تہمت سے ہیں
یہ اُن کے واسطے کیا شرم کا مقام نہیں

اگر حرامِ موالات مجھ غریب پہ ہے
تو ایسے چوٹی کے لیڈر پہ کیوں حرام نہیں

کہا یہ دوست سے میں نے وہ مرغِ دانا ہیں
حریصِ دانہ ہیں لیکن حریصِ دام نہیں

نہیں یہ قائدِ قوم اپنی قید کا قائل
"شمارِ دانۂ تسبیح میں امام نہیں"

مئے باقی

بہار آئی پیالے میں اُنڈیل آکر مئے باقی "ادر کاسا و ناولہا الا یا ایہا الساقی"

ہوا پر جھوم لے اے ابر میں بھی خوش ہوں نہ داں میں ترا مسلک ہے مشّائی مرا مشرب ہے اشراقی

علَم توحید کا بامِ اخوّت پر جو لہرایا ہوئے ایک اس کے نیچے آکے قفقازی و قبچاقی

برس دل کھول کر اے ابرِ رحمت تاکہ دھل جائے دلِ ملّت پہ جو بیٹھی ہوئی ہے گردِ نا اتفاقی

تشدّد کے مریضوں کا تحمل ہی مداوا ہے اثر اس کا ہے سمّی اس کی خاصیّت ہے تریاقی

کٹا دینا سر آساں ہے اسے راہِ محبت میں کہ جذبے قلبِ مومن کے ہُوا کرتے ہیں اعماقی

اُدھر بندوق کی دوں دوں اُدھر چرخے کی چرخ چوں یہ ہے مشرق کی صنّاعی وہ ہے مغرب کی خلّاقی

نصیحت توپ کی برطانیہ خوش ہو کے سنتا ہے بہم پہنچائیں گاندھی ان مواعظ میں بھی مشّاقی

امان اللہ خاں کی طرح جو خنجر بکف بھی ہوں اُنھیں کو زیب دیتی ہیں نصیحت ہائے اخلاقی

مسلماں ہوں سراحق ہے یزید اور اس کی دولت پہ
اسی حق سے مری اس نظم کا مطلع ہے الحاقی

ماں باپ کا ادب

اک دن نبیؐ نے حلقۂ اصحاب میں یہ لفظ دُہرائے تین بار کہ ناک اُس کی کٹ گئی"

اصحاب نے کہا کہ یہ کمبخت کون ہے تو قیر جس کی حضرتِ باری میں گھٹ گئی

ارشاد یوں ہوا کہ وہ فرزندِ ناخلف گھر جس کے جنّت آئی اور آکر پلٹ گئی

ماں باپ کا جسے نہ بڑھاپے میں ہو خیال اس نا سعید بیٹے کی قسمت اُلٹ گئی

(حدیث)

اسلام کے کرشمے

اب نمایاں ہیں جو کچھ کچھ ہم میں آثارِ حیات
یہ مسیحائی کرشمے ہیں فقط اسلام کے

ہو گئے تھے کعبہ میں جس طرح سب بُت سرنگوں
یوں ہی جھک جانے کو ہیں کاشی میں سرِ اصنام کے

قلعہ ہو جانے کو ہے طاغوتیوں کا پاش پاش
ٹوٹنے والے ہیں کچھ دن میں طلسم اوہام کے

کفر کا سر بدر میں جس نے کیا تن سے جُدا
کُھل رہے ہیں جوہر اُس شمشیرِ خُون آشام کے

فرضِ اولیٰ "واصبروا" ہے فرضِ اُخریٰ "فاقتلوا"
بند دروازے ہوں جب تفہیم اور افہام کے

دشمنانِ دینِ حق کی گالیوں کا کیا جواب
کیونکہ ہم مُسلم ہیں اور خوگر نہیں دشنام کے

خواجۂ یثرب کے حُسنِ خلق کا اعجاز دیکھ
دشمنانِ حق بھی ٹھہرے مستحقِ انعام کے

گالیاں دیتے تھے کافر آپ دیتے تھے دُعا
تھے یہ انداز آیۂ رحمت کے لطفِ عام کے

جس کی گردش مدتوں دُنیا کو چکراتی رہی
ہم ہیں اب چھلکانے والے اُس جہاں بیں جام کے

رشتہ بندوں سے کیا جس نے خدا کا استوار
ہم سُنانے والے ہیں اُس آخری پیغام کے

تخت و تاجِ ہند پر بھی ہے مسلمانوں کا حق
ہم نہیں وارث فقط روم و عراق و شام کے

"کان امر اللہ مفعولا" کے معنی ہیں یہی
مُلک مِلک اُن کی ہے جو بندے ہوئے اسلام کے

ستم زدگانِ مالابار اور آصف جاہِ ہفتم

گر اس کشور میں ہے اسلام کے چہرے پہ کچھ رونق
تو مالابار تیری سرزمینِ لالہ گوں سے ہے

عرب کا خون تھا دیوانگی میں جوش کھا اٹھا
حمیت کا یہ جذبہ قرنِ اول کے جنوں سے ہے

ہوا کیا کٹ گئے گرچند سر ہندوستاں میں بھی
زمینِ مشرق کی جب گلرنگ خود ترکوں کے خوں سے ہے

"لمن یقتل" کے پھندے میں پھنسا دی اس نے خود گردن
اُلجھتا کس لیے پھر قاتل اس صیدِ زبوں سے ہے

حکومت سے شکایت ہے نہ شکوہ اس کی سطوت سے
ہمیں گر شکوہ ہے خود اپنے بختِ واژگوں سے ہے

گر آصف جاہِ ہفتم بے کسوں کے چارہ فرما ہیں
تو ہمدردی یہ اُن کی دل کے سوزِ اندروں سے ہے

عتاب انگریز کا جس پہ ہو پھر اُس کی مدد کیسی
مگر اس سحر کا رشتہ اخوت کے فسوں سے ہے

تاجِ سلیماں

شکستِ اہلِ یوناں اگر کھا رہے ہیں — تو اپنے کیے کی سزا پا رہے ہیں
سنبھل جائیں جنگ آزمایانِ یورپ — کہ ترکانِ احرار گرما رہے ہیں
وہ گُرزِ گراں جس سے البرز لرزے — سرِ کفر پر ترک برسا رہے ہیں
خود اپنے حریفوں کے ہاتھوں سے کرزن — حلیفوں کا تختہ اُلٹوا رہے ہیں
ہوا مصطفےٰ کا جلال آشکارا — حنین اور بدر آج یاد آ رہے ہیں
فرشتوں کے جھنڈ آسماں سے اُتر کر
خلافت کو امداد پہنچا رہے ہیں

یہ غارت گری ہے کہ افسوں گری ہے — مرا گھر مجھی سے وہ لٹوا رہے ہیں
کہیں ضبطِ فتوے کہیں بندِ جلسے — تشدد کی آگ آپ بھڑکا رہے ہیں
مگر لطف یہ ہے کہ خود ہو کے ملزم — سب الزام گاندھی پہ چپکا رہے ہیں
قضا نے جسے اپنے چرخے پہ کاتا — وہی سوتِ شوکت سے بٹوا رہے ہیں
وہ کمل کی ٹوپی ہے تاجِ سلیماں — محمد علی کو جو پہنا رہے ہیں
یہ مہدی کی آمد کے ساماں ہیں سارے
پیمبر کے وعدے قریب آ رہے ہیں

شیوۂ مسلم

تجھے مسلم اس کی بھی ہے خبر کہ ہے شیوہ حق طلبی ترا
ہے زباں اگر عجمی تری تو حسب تو ہے عربی ترا

ترے آگے کیوں نہ جھکیں فلک تجھے سجدہ کیوں نہ کریں ملک
کہ خدا ہے لم یزلی ترا تو نبی ہے مطلبی ترا

ہے شراب کا تو مزہ وہی مگر اختلافِ مذاق سے
کبھی کوزہ ہے یمنی ترا کبھی شیشہ ہے حلبی ترا

یہ بلائیں جائیں گی آپ ٹل بہ تصرفِ شہ دوسرا
اگر ان کے کان میں پڑ گیا کبھی نالۂ نیم شبی ترا

آیۃ اللیل

تباہی ٹھان کر اسلامیوں کی — بڑھا ہر سمت سے کفار کا خیل
قدم گاہِ رسولِ مجتبیٰ پر — مسلط ہو گئے یورپ کے جرنیل
شبِ کفر اپنی حد سے بڑھ کے اس طرح — گئی جب مطلعِ اسلام پہ پھیل
مجھے یاد آئی قرآں کی عبارت — پڑھا میں نے "محونا آیۃ اللیل"
کسی دن سرحدِ دینِ مبیں سے — یونہی پھر جائیں گے کفار بے نیل

خس و خاشاک کی مانند سب کو
بہا لے جائے گا اسلام کا سیل

نئی نئی ضرورتیں

مجھ کو ہے تعاون نہ تعاؤل کی ضرورت
میں آپ ہوں دریا مجھے کیا پل کی ضرورت

اے سایۂ برطانیہ اٹھ جا مرے سر سے
اس سر کو ہے اکلیلِ توکل کی ضرورت

ژولیدگیٔ گیسوئے مشکیں کو نہیں ہے
تکلیفِ گرہ گیریٔ سنبل کی ضرورت

جب اس چمنستاں کی فضا ہی نہیں باقی
بلبل کی ضرورت ہے نہ ہے گل کی ضرورت

کرتی ہے عمل خود تو تشدد پہ حکومت
اور ہم کو جتاتی ہے تحمل کی ضرورت

کیا خوب ! مرے قتل پہ حیرت بھی ہے اُن کو
عارف کو بھی پیش آئی تجاہل کی ضرورت

میں سوختہ ساماں ہوں مجھے برق سے کیا خوف
بجلی ہی کو پیش آئی تامل کی ضرورت

کیا وہ بھی تنزل ہے جو ہو صلح میں تاخیر
دہلی سے مقدم ہوئی کابل کی ضرورت

اس میں نہیں کچھ شک کہ عمل خوب ہے لیکن
ہم کو ہے ابھی اور بھی کچھ غل کی ضرورت

ساعتِ قدر

شبِ قدر اُس سہانی رات کا فرخندہ پرتو ہے
بدل دیتی ہے جس کی فرخی ناقص کو کامل سے

بتانا چاہتے تھے ایک روز اُمت کو پیغمبر
کہ باہر کب نکلتی ہے یہ لیلیٰ اپنے محمل سے

ہمارے خاکدانِ تیرہ پر کس وقت اُترتی ہیں
خدا کی رحمتیں اس گنبدِ مینا کی منزل سے

مگر اُمت کو لڑتے دیکھ کر صدمہ ہُوا ایسا
کہ ساعت کا تعیّن ہو گیا محو آپ کے دل سے

اُسی دن سے وہی ہے ساعتِ قدر اہلِ بینش کی
ملیں آپس میں جو توحید کے فرزند جب دل سے

دعوتِ عمل

اگر تم کو حق سے ہے کچھ بھی لگاؤ
تو باطل کے آگے نہ گردن جھکاؤ

حکومت کو تم نے لیا آزما
اب اپنے مقدّر کو بھی آزماؤ

ہو تم جس کے ذرّے وہ ہے خاکِ ہند
چھپے ہیں جو اس میں وہ جوہر دکھاؤ

فلک پر مہ و مہر پرچھائیں مانند
زمیں پر اس انداز سے جگمگاؤ

ہمالہ بھی آجائے گر راہ میں
تو ٹھکرا کے آگے سے اس کو ہٹاؤ

کرے تم سے گنگا بھی گر بے رُخی
پلٹ کر الٹ دو تم اس کا بہاؤ

زمانہ میں روشن کرو نامِ ہند
ہر اقلیم میں اس کا سکّہ چلاؤ

ہر اک ملک کا ہاتھ میں لے کے دل
ہر اک قوم سے اپنی عزّت کراؤ

پسینہ گرے ہندوؤں کا جہاں
وہاں تم مسلمان کا خوں بہاؤ

زمیں جب ہو اس خون سے لالہ زار
تو اس پر بساطِ اخوّت بچھاؤ

بھریں گے یہ برسوں میں جا کر کہیں
مسلماں کے پہلو کے گہرے ہیں گھاؤ

پرانا ہوا دفتری اقتدار
سمجھ لو اب اس کا بھی ہے چل چلاؤ

کسی روز خود غرق ہو جائے گی
بہت بہہ چکی ہے یہ کاغذ کی ناؤ

انک انت الاعلیٰ

خدا کے گھر سے نکل گئے بُت حرم کی رونق ہوئی دوبالا
بدل گئے دن پلٹ گئی رُت نبیؐ نے اُمت کا نام اُچھالا

ہوائی جب والضحیٰ کی چھوٹی تو سب نے اس کی بہار لوٹی
کرن قُمِ اللیل کی جو پھوٹی تو سارے جگ میں ہوا اُجالا

چلے ہیں مکے سے جب مدینے کہا یہ صدیقؓ سے نبیؐ نے
کیا جو رُخ ثور کا کسی نے تو مکڑیاں پور دیں گی جالا

سوادِ یثرب میں گھومتا ہوں نبیؐ کی دہلیز چومتا ہوں
شرابِ حق پی کے جھومتا ہوں رہے سلامت پلانے والا

عجم ہے میرا عرب ہے میرا جہاں میں جو کچھ ہے سب ہے میرا
اگر مسلماں لقب ہے میرا، تو بول ہوگا مرا ہی بالا

محفلِ نشاط

جب تک جلا نہ دے تفِ سوزِ دروں مجھے
ممکن نہیں کہ آئے قرار و سکوں مجھے

ساقی سے بے نیاز ہیں سرمستیاں مری
خونِ جگر ہے کیفِ مئے لالہ گوں مجھے

فضلِ خدا فراخورِ فطرت ہے اے حکیم
دی تجھ کو حق نے عقل تو بخشا جنوں مجھے

میرا یہ جرم ہے کہ ہوں نازک مشام کیوں
خاکِ حرم سے آئی ہے کیوں بوئے خوں مجھے

اک محفلِ نشاط ہے قیدِ فرنگ بھی
از بسکہ ہے صریرِ قلم ارغنوں مجھے

انقلاب

گر ہماری طرح تم بھی غیر کے محکوم ہو
پھر ذرا تم کو بھی قدرِ عافیت معلوم ہو

ظلم کو انصاف کہہ لینا تو آساں ہے مگر
قائل اس منطق کے ہم جب ہوں کہ تم مظلوم ہو

ہم ہی کیوں روح القدس کے فیض سے محروم ہیں
تم ہی کیوں پاپائے روما کی طرح معصوم ہو

بیکسوں پر اے خدا بیداد کی حد ہو گئی
تو ہی ان کا دادرس یا حیّ یا قیّوم ہو

اپنی سنّت حق نے دہرائی باندازِ جدید
فیصلہ ناطق تھا قرآں کا کہ غالب روم ہو

رمزِ استخلاف کر دے گی مرے معنی کی شرح
گر عسیرالفہم ایسا ہی مرا مفہوم ہو

وقت آ پہنچا کہ برپا ہو نیا اک انقلاب
اور یہ نظمِ زندگی بارِ دگر منظوم ہو

وقت آ پہنچا کہ ہو تقسیم قوموں کی نئی
اک نئی دنیا ہو اور اس کا نیا مقسوم ہو

وقت آ پہنچا کہ ہو نابود تہذیبِ جدید
ہست و بود اس کا وجودِ نقطۂ موہوم ہو

وقت آ پہنچا کہ محنت کا ملے بندوں کو اجر
ساعت آ پہنچی کہ جو خادم ہے وہ مخدوم ہو

وقت آ پہنچا کہ پھر ہو زندہ آئینِ کہن
پھر بہارِ باغِ گیتی امتِ مرحوم ہو

وقت آ پہنچا کہ دورِ جامِ عنبر بو چلے
ہر دہانِ خُم ختامِ مسک سے مختوم ہو

"انتم الاعلون" کا غل مچ رہا ہو عرش پر
اور پرستارانِ حق کی قدسیوں میں دھوم ہو

عالم آشوب

زنداں میں بند ہند کے احرار ہو گئے
اخیار اسیرِ پنجۂ اشرار ہو گئے

ارزاں ہے جنسِ معصیت اس درجہ ان دنوں
کرتے ہی مے سے توبہ گنہگار ہو گئے

گاڑھا پہن لیا تو ہوئے موردِ عتاب
ململ خرید لی تو وفادار ہو گئے

کیا انقلاب ہے کہ عرب کے شریف بھی
تہذیبِ مغربی کے پرستار ہو گئے

نصرانیوں سے رشتۂ اخوّت کا جوڑ کر
عثمانیوں سے برسرِ پیکار ہو گئے

قطعِ رگِ خلافتِ کبریٰ کے واسطے
برطانیہ کے ہاتھ میں تلوار ہو گئے

اسلامیوں کی سیزدہ صد سالہ جائداد
یورپ کی نذر کرنے کو طیّار ہو گئے

وہ گھر جو خود کبھی عربوں نے بسائے تھے
آج ان کے اپنے ہاتھ سے مسمار ہو گئے

ناموسِ کعبہ بیچ کے گو فیصل اور حسین
عقبیٰ کی ذلّتوں کے سزاوار ہو گئے

ثمرہ انھیں ملا یہ اضاعوا الصلوٰۃ کا
مغرب کی لعنتوں میں گرفتار ہو گئے

مانا کہ ان کی قوم فروشی کی آڑ میں
وہ مسئلے جو سہل تھے دشوار ہو گئے

لیکن خدا کے فضل نے عقدہ کیا یہ حل
اس حیلہ سے جو خفتہ تھے بیدار ہو گئے

دنیا کے گوشہ گوشہ سے اٹھ کر خدا پرست
قربانِ دینِ احمدِ مختار ہو گئے

ہندوستان و کابل و ایراں کے سرفروش
ترکوں کے یاور اور مددگار ہو گئے

کشتی ڈبو کے خود تو عرب غرق ہو گیا
لیکن شناورانِ عجم پار ہو گئے

آزر سے گھر خدا کا اجاڑا نہ جا سکا
صدہا خلیل کعبہ کے معمار ہو گئے

تفاخر و تذلّل

میں اپنی قوتوں کو اگر منتظم کروں — گردونِ خیرہ چشم کی گردن کو خم کروں

اعلائے حق سے لشکرِ باطل کو دوں شکست — اعدائے حق کو عرضۂ تیغِ دودم کروں

ٹوٹے طلسمِ شرک، ہو اللہ کا نشاں — آئینۂ انا میں اگر مرتسم کروں

اِک بات میں شریف گرے ساتھ لات کے — میں سر کے بل جو عزمِ طوافِ حرم کروں

آراستہ کروں جو خلافت کے باغ کو — ہر ہر ورق کو روکشِ صحنِ ارم کروں

ہو غلغلہ "لقد صدق اللہ" کا بلند — فتحِ قریب کی جو بشارت رقم کروں

پہلا سبق ملا ہے الف لام میم کا — پھر کیا ضرور ہے کہ میں شرحِ الم کروں

یا رب ترے کرم سے شکایت ہو کیا مجھے — گر جانِ ناتواں پہ میں خود ہی ستم کروں

بٹہ لگاؤں آپ اب وحدت کے نام کو — اپنی غرض کو کفر کے مقصد میں ضم کروں

اپنوں سے تاج چھین کے دے دوں پرائے کو — برطانیہ کی نذر عرب اور عجم کروں

اپنا گلا بھی کاٹ لوں آپ اپنے ہاتھ سے — پھر مرثیہ بھی آپ ہی اپنا رقم کروں

ہے میری ذلتوں کا یہ مضموں بہت وسیع
طاقت کہاں کہ اس کو سپردِ قلم کروں

خروشِ مسلم

ہے سودا جب سے لیلائے خلافت کا مرے سر کو — اُنھوں نے حشر کا میدان بنایا ہے مرے گھر کو
مجھے اُس وقت سے دھوکا زمیں پر آسماں کا ہے — ستمگاروں نے ڈالا جب سے زنداں میں ہے اختر کو
حرم میں بھی جب اُس کا آشیاں ہو جائے خاکستر — گلہ بجلی سے کیا پھر ہند میں ہو گا کبوتر کو
زمیں تھرا گئی آوازۂ اللہ اکبر سے — خروشِ مسلمِ شوریدہ شرماتا ہے تندر کو
جِلایا اُس نے مُردوں کو باذن اللہ قم کہہ کر — جگایا اُس نے ایک آواز میں ہندوستاں بھر کو
لگا دی سب کے دل میں ایک ساتھ اس نے لگن اپنی — ملایا اُس نے مالابار کی سرحد سے خیبر کو
مسیحیت مسلمانی سے ٹکراتی تو ہے لیکن — کسی نے آج تک شیشے سے توڑا بھی ہے پتھر کو
مرے دل میں جو دولت ہے وہ اُن کو مل نہیں سکتی — وہ اس عزت سے عاری ہیں جو حاصل ہے مرے سر کو
یہ سر وہ سر ہے جس پر تاج ہے دینِ محمدؐ کا — یہ دل وہ دل ہے جس پر ناز ہے خود ربِ اکبر کو

ڈراوے دے رہے ہیں کیا وہ ہم کو طوق و جولاں کا
پہنتا ہے خوشی سے مومن اس ایماں کے زیور کو

محتاط سائیس

کون کہتا ہے کہ حزم آئین ہے سرکار کا — اور دیا ہے اس کو درسِ احتیاط ابلیس نے
اب ملاقاتیں ہوئیں احرار کی گاندھی سے بند — مشورہ اچھی طرح جب کر لیا دس بیس نے
ڈر یہ تھا شاید کہ کونسل سے نکل کر یک بیک — پھر نہ یہ شوریدہ سر لگ جائیں چکی پیسنے

اصطبل کے اندر آ کر چور گھوڑا لے گیا
بند پھاٹک جب کہیں جا کر کیا سائیس نے

سیاسیاتِ عالیہ

بسکہ تھا تثلیث عنواں دینِ قسطنطین کا
بڑھ گیا آکر سبق انگورہ میں والتین کا

یک بیک انگورہ کے انگور کھٹے ہو گئے
لومڑی سے رشتہ ہے دیرینہ قسطنطین کا

کہہ دو آغا خان سے اب لاٹھی ہی کچھ کام آئے گی
بھینس کے آگے ہے بے مصرف بجانا بین کا

وائے ناکامی کہ چشمے تیل کے سوکھے ہیں ہم
لے کے لائڈ جارج جب دوڑے کنسٹر ٹین کا

نام حسرت سے لیا کرتے ہیں کرزن ان دنوں
مرو کا شیراز کا تبریز کا قزوین کا

صوبۂ سرحد کہ بے آئین کہتے ہیں اسے
بن گیا آئینہ دار اسلام کے آئین کا

جب دعا مانگی یہ مسلم نے کہ ہو ترکوں کی فتح
مچ گیا غل عرش پر چاروں طرف آمین کا

چراغِ حرم

ثابت جب اپنے آپ کو خیر الامم کیا
ہم نے کیا وہ کام کسی نے جو کم کیا

تیغ جہاں کشا سے جھکایا سرِ عجم
نوکِ سناں سے گردنِ روما کو خم کیا

گھر گھر میں ہم نے حق کی تجلی بکھیر دی
روشن گلی گلی میں چراغِ حرم کیا

پہنچا دیا پیامِ خدا ہر دیار میں
ہر ملک میں بلند نبیؐ کا علم کیا

بخشی ہمیں غلامیِ سردارِ کائنات
کتنا بڑا خدا نے یہ ہم پر کرم کیا

وجدانِ سلیم

بسکہ تنہائی میں تھا شوقِ غزل خوانی مجھے
کر دیا قسمت نے انگریزوں کا زندانی مجھے

جو مضامیں آج تک تھے برتر از فکرِ بلند
بیٹھے بیٹھے سوجھ جاتے ہیں بآسانی مجھے

سالہا سال اتباعِ اسوۂ یوسف کیا
دولتِ ایماں کی حاصل ہے فراوانی مجھے

فارغ از فکرِ معاش، آسودہ از رنجِ عیال،
نعمتیں کیا کیا خدا نے کی ہیں ارزانی مجھے

راہِ حق میں سر جو کٹ جاتا تو تھی اک بات بھی
کیا تسلی دے گی یہ تھوڑی سی قربانی مجھے

جن کو انہونی سمجھتے ہو وہ باتیں ہیں اٹل
یہ خبر دیتا ہے میرا ذوقِ وجدانی مجھے

پردہ استقبال کا سرکا کے دکھلایا گیا
ترک کے تارک پہ اکلیلِ جہانبانی مجھے

آج ہے کل میری آنکھوں میں کہ آتے ہیں نظر
خوار و ابتر دشمنانِ نوعِ انسانی مجھے

دولتِ اسلام کے وابستہ دامانوں میں ہوں
میری دولت ہے مری وابستہ دامانی مجھے

برار

رندوں کو تیری آنکھ کا ساقی اشارہ ہو
پھر کیوں نہ محتسب کی ردا پارہ پارہ ہو

نکلا ہے ڈوب کر جو افق پر بصد فروغ
شاید یہ اے دکن نہ ترا ہی ستارہ ہو

آثار تو یہی ہیں کہ نکلیں اجارہ دار
اور یک قلم برار کا منسوخ اجارہ ہو

چھینا ہوا جو حق ہے وہ حق دار کو ملے
کتنا ہی خواہ اس میں کسی کا خسارہ ہو

ہاتھ آئے پھر یہ گم شدہ لولوئے شاہوار
تاجِ نظام اس سے مکلّل دوبارہ ہو

اپنا ہی باغباں جو گلشن کو ہو نصیب
کس درجہ دلفریب پھر اس کا نظارہ ہو

اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَ اللہِ اَتقٰکُم

گئے وہ دن کہ "اکرم" کے لیے تھی شرط "اتقیٰ" کی
شرف سب سے بڑا یہ تھا کہ دل میں حسرتِ دیں ہو

اوامر اور نواہی کا ہو سوتے جاگتے کھٹکا
بغل میں ہو اگر سنّت تو مصحف زیرِ بالیں ہو

سب اک تسبیح کے دانے ہوں جس کا رشتہ ہو ایماں
مساوات اور اخوت سب مسلمانوں کا آئیں ہو

بڑے میں اور چھوٹے میں فقط ہو امتیاز اتنا
وہ قلزم ہو یہ جیحوں ہو، وہ ہو ماہ اور یہ پرویں ہو

گھرانا ایک ہو ان کا گھر ان کا ہو جہاں سارا
مراکش ہو عرب ہو ہند ہو ایران ہو چیں ہو

بہ تقلیدِ ہنود اب تو مگر اپنی یہ حالت ہے
کہ اعلیٰ ذات، بالا ہو اور ادنیٰ ذات پائیں ہو

یہ پوچھا جا رہا ہے آج کل خدّامِ ملت سے
کہ تم ہو ذات کے رانگھڑ؟ نسب کے یا ارائیں ہو؟

شعوبیت کے سانچے میں ڈھلے جب بُت تشتّت کا
کہ ہر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کی اس لعنت سے تزئیں ہو

تو "شتّت شملهم" کی پھر مساجد میں دعا کیسی
کہیں کافر کے منہ سے ہی بلند اس پر نہ آمیں ہو

حسین ابنِ علیؓ

اک وہ بھی حسینؑ ابنِ علیؑ تھا کہ سر اُس نے
مر کر بھی نہ فاسق کی حضوری میں جُھکایا

خود چل کے گیا معرکۂ کرب و بلا میں
دنیا کو قیامت کا سماں جس نے دکھایا

تھا سینہ سپر ایک ہزاروں کے مقابل
باطل کے اس انبوہ نے اس کو نہ ڈرایا

اسلام کی حرمت پہ امام الشہداء نے
سر شمر کے خنجر سے بصد شوق کٹایا

دیکھا جو یہ سر نوکِ سناں پر تو فرشتے
سمجھے کہ سوا نیزے پہ سورج اُتر آیا

مٹنے نہ دیا نقشِ روایاتِ پیمبرؐ
خود اپنے تئیں سبطِ پیمبرؐ نے مٹایا

اک تو بھی حسین ابنِ علی ہے کہ ترا ہاتھ
اُس ہاتھ میں ہے جس نے گھر اسلام کا ڈھایا

نسبت ہے ترے نام کو بھی آلِ عبا سے
تُو نے مگر اس نام کو خود بٹہ لگایا

برباد ہوئی خود تری کوشش سے وہ بستی
جس کو ترے اسلاف کی ہمت نے بسایا

کل تک عرب آزاد تھے لیکن ہیں غلام آج
رائی کو رعایا ترے ہاتھوں نے بنایا

ہیں کعبہ کی دہلیز پہ جس خون کے چھینٹے
خود صحنِ حرم میں ترے خنجر نے بہایا

شام اور عراق اور فلسطین کے اندر
جو فتنہ ہے برپا اُسے تُو نے ہی جگایا

پیوندِ عرب تیری ہی مقراضِ جفا نے
دامانِ اناطولیہ سے قطع کرایا

تو مر نہ گیا کس لئے اُس وقت سے پہلے
تثلیث نے جب پرچمِ توحید گرایا

اس پر ہے یہ خواہش بھی کہ مل جائے خلافت
فیصل ہوں ترے ہاتھ سے اُمت کے قضایا

خفاشِ سیہ روز ہو خورشید کا ہمچشم
اندھیر یہ کیسا ہے زمانے میں خدایا

حقائق

دل ہے پہلو میں تو پیدا شیوۂ ترکانہ کر
جورِ ہفت افلاک کے ہوتے رہیں پروا نہ کر

غم کو خود آ کر بہا لے جائے گی موجِ سرور
دیکھتا کیا ہے اُٹھا اور نذرِ مے و پیمانہ کر

دعویٔ اُلفت جتا کر مفت میں رسوا نہ ہو
دار پہ چڑھنے سے پہلے رازِ عشق افشا نہ کر

ظرفِ عصیاں چاہتی ہے قلزم آشامی تری
برگِ گل کی طرح شبنم کے لئے ترسا نہ کر

کام ابراہیموں کا ہے کہ کھیلیں آگ سے
کود پڑ شعلوں میں خوفِ انجام کا اصلا نہ کر

لے کے نام اللہ کا طوفاں میں کشتی ڈال دے
خوفِ بے پایانیٔ دریائے موج افزا نہ کر

خود عمل تیرا ہے صورت گر تری تقدیر کا
شکوہ کرنا ہو تو اپنا کر مقدر کا نہ کر

سایۂ شمشیر میں پوشیدہ جنت ہے مگر
ناکسوں کے سامنے اس بھید کا چرچا نہ کر

زہر اور اُس کا تریاق

کسو گے تم نہ جب تک پیچ پرزے شرع کی کل کے
شکنجہ مغربی تہذیب کا ڈھیلا نہیں ہو گا

خروشِ کفر تھم سکتا نہیں اگر دیں کے حلقوں میں
سرودِ "رتّل القرآن ترتیلا" نہیں ہو گا

مسلماں تھام لیں گے جب رسول اللہ کا دامن
مؤثر کافروں کا کوئی بھی حیلہ نہیں ہو گا

ڈسیں گے پھر بھی یہ افعی کہ ڈسنا ان کی فطرت ہے
مگر اس وقت ان کا ڈنک زہریلا نہیں ہو گا

شجر اسلام کا پھولا پھلا ہو گا خزاں میں بھی
کوئی برگ اس درختِ سبز کا پیلا نہیں ہو گا

تاجدارِ دکن کو سنگھٹن کی دھمکی

اٹھا ہے سنگھٹن کی فضا سے یہ غل نیا
شدھی سے دشمنی ہے حضورِ نظام کو

حد سے گزر رہا ہے تعصب حضور کا
بٹہ لگا رہے ہیں حکومت کے نام کو

باقی بچا جو ہاتھ سے اورنگ زیب کے
گن گن کے لے رہے ہیں وہ اس انتقام کو

مانا کہ مجتنب ہیں وہ "عجلِ حنیذ" سے
خوانِ خلیل ہیں ہے شرف جس طعام کو

اور حلقۂ ہنود میں کچھ دیر کے لئے
تسکین ہو گئی جذباتِ عوام کو

لیکن یہ کیا کہ گوشِ دکن تک ہمارے لوگ
پہنچا سکیں نہ اپنے دھرم کے پیام کو

انصاف کیا یہی ہے کہ خود تو شہِ دکن
رغبت دلائیں دین کی ہر خاص و عام کو

دے کر مئے طہور کی ہر شخص کو صلا
کرتے ہوں پیش روضۂ دارالسلام کو

اور ہم کریں کسی کو بھی شدھی اگر تو آپ
بھیجیں یہ حکم اپنے مدار المہام کو

"قارورہ گائے کا نہ پئے کوئی حق پرست
اللہ کا شریک نہ ٹھہرائے رام کو"

"ہونے نہ پائے کوئی مسلمان آریہ
چھوڑے جو دیں تو تیغ بھی چھوڑے نیام کو"

ان سب خرابیوں کا یہی توڑ ہے کہ ہم
پہلے کریں درست خود اپنے قوام کو

ہو جائے سنگھٹن جو ہمارا تو اس طرح
آقا کبھی نہ گھور سکے گا غلام کو

تھا خامشی جواب اس الزام کا مگر
کب مانتا ہے خامہ مری روک تھام کو

کیوں باغباں کرے نہ حفاظت طیور کی
صیاد لے کے باغ میں گر جائے دام کو

جو ہیں خدا پرست ہوں کیوں سامری پرست
کیوں چھوڑ دیں شریعتِ خیر الانام کو

گوبر ملے دہی کو مسلمان کھائیں کیوں
کیوں کر حلال ہیں وہ ملا دیں حرام کو

کیا حق ہے آریوں کو کہ قارورہ کر کے پیش
اسلامیوں سے چھین لیں کوثر کے جام کو

کیا حق ہے کفر کا کہ خلیع العذار ہو — روکے نہ کوئی اس فرسِ بدلگام کو

یہ ہرزہ خواں گروہ عجب بدتمیز ہے — پہچانتا نہیں ہے ادب کے مقام کو

یہ لوگ آج بادشہوں پر ہیں حرف گیر — کل تک نہ پوچھتے تھے جنھیں ہم چھدام کو

بے سود ہیں یہ سنگھٹنی بھبکیاں تمام — اس سے کوئی ڈرا نہیں سکتا نظام کو

ہرگز کبھی پہنچ نہیں سکتا کوئی گزند
غوغائے سگ سے جلوۂ ماہِ تمام کو

انتظارِ سحر

تجھے فکر کیوں ہے اے دل کہ یہ شب بسر بھی ہوگی — ہے ابھی اگر اندھیرا تو کبھی سحر بھی ہوگی!

ہے اثر دعا میں پنہاں مگر اس کے ساتھ تجھ کو — اگر اعتقاد ہوگا تو وہ زود اثر بھی ہوگی

یہ سواد آفرینش ہے بقدرِ نور بینش — تری آنکھ اگر کھلے گی تو جہاں نگر بھی ہوگی

ہو بپا کہیں بھی طوفاں وہ یہی گماں کریں گے — کہ ضرور اس میں شامل مری چشمِ تر بھی ہوگی

ہے پھر ابرہہ کی کوشش کہ بنائے کعبہ ڈھا دے — مگر اس میں ہم کو شک ہے کہ مہم یہ سر بھی ہوگی

اگر آج ہم پہ ٹوٹی شبِ غم پہاڑ بن کر — تو یہ رات یونہی بھاری کبھی آپ پر بھی ہوگی

عرب و عجم کے ذرّے ہوئے آفتاب جس سے
کسی روز دیکھ لینا وہ نظر ادھر بھی ہوگی

فرعون کی آرزو

ہم دُنیا کی بلند ترین چوٹی پر چڑھ کر آسمان کی قریب ترین فضا میں پہنچنا چاہتے ہیں (جنرل سی جی بروس)
(سول اینڈ ملٹری گزٹ۔ فروری ۱۹۲۴ء)

فرعون نے ہامان کو فرمان یہ بھیجا
لڑنا مجھے منظور ہے موسیٰؑ کے خُدا سے

اِک قصرِ فلک بام مرے واسطے بنوا
جو رشتۂ ثریا کا ملاتا ہو ثریٰ سے

اُس کو تو یہ حسرت ہی رہی لیکن اب انگریز
کُشتی وہی موجود ہیں لڑنے کو قضا سے

کہتے ہیں کہ ہم سقفِ ہمالہ پہ پہنچ کر
چھینیں گے سب اسرارِ ازل جوفِ سما سے

سیڑھی تو انھیں قدس کی ہاتھ آگئی لیکن
برسیں نہ شہاب ان پر کہیں اس کی فضا سے

اُلٹی گنگا

آج اُن سے کوئی پُوچھے اے پرستارانِ امن
کر رہا پنجاب میں اس وقت دنگا کون ہے

کون بازاروں میں لٹھ باندھے ہوئے پھرتا ہے آج
شُہد پن کس کا چلن ہے اور لفنگا کون ہے؟

جامۂ تہذیبِ انسانی دیا کس نے اُتار
موچی دروازہ میں ناچا ہو کے ننگا کون ہے؟

لارڈ ریڈنگ اب کہیں قانون شکن ہم ہیں کہ آپ
ہند میں اُلٹی بہائی جس نے گنگا، کون ہے؟

حزبُ العمّال

اُڑتی سی اک خبر ابھی آئی ہے تار پر
سرمایہ دار چل دیئے مزدور آ گئے

جو مطلق العنان تھے جڑ اُن کی کٹ گئی
جو کرتے تھے حمایتِ دستور آ گئے

ہو مژدہ اعتدال پسندانِ ہند کو
تھے اُن کی دوستی میں جو مشہور آ گئے

اس انقلاب سے مری آنکھوں کے سامنے
جتنے بھی تھے حقائقِ مستور آ گئے

قیصر پُرانی وضع کے گر مٹ گئے تو کیا
اُن کی جگہ نئے نئے فغفور آ گئے

یہ فرقۂ جدید بھی انگریز ہی تو ہے
خونِ رگِ بریدۂ چنگیز ہی تو ہے

مینا اور طوطا

ہُوئی کیا وہ بہار لے آریہ ورت
چمن کی زندگی تھے جس کے انفاس

وہ رنگا رنگ پھلواڑی کہاں ہے
دماغوں میں ہے اب تک جس کی بُو باس

وہ آزادی کدھر ہے جس سے تجھ کو
نہ آئی اور کوئی بھی ہوا راس

قفس میں بند ہوتی تھی جو طوطی
تو سیتا کو دیا جاتا تھا بن باس

یہ طعنہ بھی سُنا تُو نے کہ تجھ کو
کبھی بھی تھا نہ آزادی کا احساس

مسٹر ریمزے میکڈانلڈ کا پیغام

کس مپرسی کے دنوں میں تو ہمارے نئے صدر ۔۔۔ کرتے رہتے تھے بہت دعویٰ غمخواریٔ ہند

کہتے رہتے تھے کہ عمال کا ہوتے ہی عروج ۔۔۔ ختم ہو جائیں گے ایامِ نگونساریٔ ہند

بے سبب ہم سے نہ تھی آپ کی یہ ہمدردی ۔۔۔ آپ بے وجہ نہ کرتے تھے طرفداریٔ ہند

آپ واقف تھے اُن اسباب سے جن کے باعث ۔۔۔ بڑھتی جاتی تھی ہر انگریز سے بیزاریٔ ہند

ہم تو کیا چیز ہیں خود آپ کی یہ حالت تھی ۔۔۔ کہ نہ ضبطی سے بچی آپ کی "بیداریٔ ہند"

آپ کو اچھی طرح تھی یہ حقیقت معلوم ۔۔۔ کہ گرفتاریٔ گاندھی ہے گرفتاریٔ ہند

اب جو ہاتھ آپ کے آئی ہے حکومت کی عناں ۔۔۔ تو اس انداز سے فرماتے ہیں دلداریٔ ہند

کہ نہ چھوڑی روشِ ترکِ موالات اس نے ۔۔۔ تو یہ مشکل ہے کہ آسان ہو دشواریٔ ہند

اچھی ہے سلف گورنمنٹ کی خواہش لیکن ۔۔۔ ہونے پائے متزلزل نہ وفاداریٔ ہند

کوئی انگریز نہ تہدید سے ہوگا مرعوب ۔۔۔ اس سے ہلکی کبھی ہو گی نہ گرانباریٔ ہند

ہے یہ وہ قوم جو کل تک تھی ہماری دمساز ۔۔۔ آج کرتی ہے مگر وعظِ غلط کاریٔ ہند

دل نوازی میں یہی لوگ تھے کل تک مشہور ۔۔۔ آج کرتے ہیں جو اس طرح دل آزاریٔ ہند

تہنیت کے اگر اس پر بھی انھیں جائیں پیام
مقتضی ہے کب اس بات کی خودداریٔ ہند

سرزمینِ بے آئین اور اسیرانِ فرنگ

پیستے ہیں جیل میں چکی اسیرانِ فرنگ
آسیائے گردشِ دوراں ہے زندانِ فرنگ

جو نہ دے ان کو ضمانت قید کاٹے تین سال
کیوں نہ ہو تثلیث ہی ٹھہرا جو ایمانِ فرنگ

پاؤں میں بیڑی گلے میں تختی اور ہاتھوں میں داغ
اُمّتِ مرحوم پر کیا کیا ہیں احسانِ فرنگ

آسیا کا دستہ حجت حلقۂ جولاں دلیل
اپنی منطق پر ہیں نازاں نکتہ سنجانِ فرنگ

صبح کو پالک کے ڈنٹھل شام کو اُبلے مٹر
ہم رہے اس شان سے برسوں ہی مہمانِ فرنگ

ہم سیہ بختوں کو روغن بھی ملا ہو کر سیاہ
کیونکہ ہے روغن کی زردی حصۂ خوانِ فرنگ

نرخِ گندم نے ہمیں اولادِ آدم کر دیا
ورنہ کھاتے تھے چنے ہم بن کے گاوانِ فرنگ

چھ چھٹانک آٹے میں مٹھی بھر تو ہو شملہ کی دھول
ورنہ کیا یاد آئے گا اندازۂ نانِ فرنگ

ایک دن سرجان میفی سے یہ مسلم نے کہا
اے کہ اس کشور میں ہے تو مظہرِ شانِ فرنگ

کچھ خبر اس کی بھی ہے تجھ کو کہ تیرے دور میں
خلق کو ہے شکوۂ جورِ فرادانِ فرنگ

صوبۂ سرحد کے اندر اک قیامت ہے بپا
غرقِ اٹک میں ہو گئے سب عہد و پیمانِ فرنگ

لے کے بنّوں سے پشاور تک جدھر ڈالی نظر
سب کے سب تھے خستۂ شمشیر و پیکانِ فرنگ

رن کے اندر ہندو و مسلم ہیں دونوں پائمال
ان کے خوں سے لالہ گوں ہے سُمِ یکرانِ فرنگ

تیرے مسلک میں ہے سنگِ راہِ مغرب کانگریس
تیری نظروں میں خلافت خارِ دامانِ فرنگ

یہ بھی سوچا تو نے ہوگا اس جفا کا حشر کیا
کب تک آخر یہ خروش و جوشِ طوفانِ فرنگ

حضرتِ میفی نے جب فقرے یہ مسلم کے سنے
اس طرح گرجا یہ فخرِ ضیغمستانِ فرنگ

دل! تمھارا بات اچھی طرح ہم نے سن لیا
ہم ہیں اُستاد اور تم طفلِ دبستانِ فرنگ
تم وکالت جن کی کرتا ہے وہ بانگی لوگ ہے
ہے وہ سب کا سب حلیفانِ حریفانِ فرنگ

کانگرس کو اور خلافت کو کرے گا ہم تباہ
گر نہ یہ دونوں رہا ہو کر غلامانِ فرنگ

یہ جوابِ صاف مُسلم سن کے شملہ چل دیا
جس کی چوٹی پر ہے اُنچی سب سے دکانِ فرنگ
لارڈ ریڈنگ اس دکاں میں بیچنے کو آئے ہیں
ہندیوں کے ہاتھ جنسِ عدل و احسانِ فرنگ
دیکھئے مسلم کو کیا سودا یہاں آتا ہے ہاتھ
وزن قائم کس طرح رکھتی ہے میزانِ فرنگ
لاٹ صاحب نے بھی گر سر جان سیفی کی طرح
عدل کے چہرے پہ ڈالا پردۂ آنِ فرنگ
مسلم شوریدہ کا یہ آخری ہوگا پیام
ربِّ اکبر سے کرو خوف اے خدایانِ فرنگ

یونہی گر ہوتا رہا سرحد کی آبادی پہ ظلم
سب دھرا رہ جائے گا یہ سازوسامانِ فرنگ

معارف

توقع خیر کی رکھو نہ لبرل سے نہ ٹوری سے
کبھی آٹا نکل سکتا نہیں چھلنی کی بوری سے
رسن سازانِ مغرب گرچہ اپنے فن میں یکتا ہیں
نہ سیکھا باندھنا ہم کو مگر احساں کی ڈوری سے
ڈگر بھی ہے وہی لاٹھی بھی اب تک ہے وہی اس کی
حکومت کیا کرے معذور ہے آنکھوں کی کوری سے
لگی ہیں آگ لگنے کا تجھے اے مدعی غم کیا
کہ کُتا آگ لگتے ہی نکل جاتا ہے موری سے
یہ چنگاری جو ملتان اور امرتسر میں سُلگی ہے
چرا لائے ہیں شاید مالوی جی چوراچوری سے

یہ دولت مانگنے سے آدمی کو مل نہیں سکتی
گر آزادی کی خواہش ہے تو چھینو سینہ زوری سے

شریعتِ اسلامی اور یورپ

قطعِ یدِ سارق پہ ہے یورپ کا یہ فتویٰ
وحشی ہے وہ قانون جو دیتا یہ سزا ہے

تہذیب کے اُستاد کے اس قول کو سُن کر
میں نے یہ کہا آپ کا ارشاد بجا ہے

دو تولہ ربڑ کے لئے افریقہ میں لیکن
اک ہاتھ اور اک پاؤں جو کٹ جائیں یہ کیا ہے

مقطوع ہوں اعضا فقط اتنی سی خطا پر
مزدور نے پیمانہ سے کم کام کیا ہے

ہو مشغلہ تفریح کا مُثلہ حبشی کا
کس مذہب و ملت میں یہ تعزیر روا ہے

ہے معترض اسلام پہ چوروں کا یہ ہمدرد
خود اُس نے کبھی جائزہ اپنا بھی لیا ہے

شہتیر سے مُنہ موڑ کے تنکے سے اُلجھنا
اے اُمّتِ عیسیٰ تری دیرینہ ادا ہے

پیتل اور سونا

ادائیں یوں تو جتنی بھی ہیں سب ہیں دلفریب ان کی
مگر یہ مغربی معشوق شرمیلے نہیں ہوتے

سمن بویانِ مشرق کو بھی آتی ہے دل آرائی
اور اُن کے دل بھی اُن کی طرح برفیلے نہیں ہوتے

اُنھیں بھی کھینچتا ہے جذبۂ اُلفت، مگر دل میں
خیالِ غیر لائیں ایسے لچکیلے نہیں ہوتے

یہاں جن کو نگاہِ اولیں ہی کھول دیتی ہے
وہاں برسوں بھی وہ بندِ قبا ڈھیلے نہیں ہوتے

کھرے کھوٹے کی ہے پہچان جن عاشق مزاجوں کو
مِسوں پہ مائل اُن کے دل کسی حیلے نہیں ہوتے

چمکنا ہی اگر سونے کے زیور کی علامت ہو
تو کیا پیتل کے جو گہنے ہیں چمکیلے نہیں ہوتے

سر مسلکم ہیلی کے ملفوظات

جناب حضرتِ ہیلی کو یہ غم کھائے جاتا تھا
نہ کر دے سرنگوں مشرق کہیں مغرب کے پرچم کو

چھڑی آزادیٔ ہندوستاں کی بحث کونسل میں
تو ظاہر یوں کیا حضرت نے اپنے اس چھپے غم کو

ہماری بھی وہی غایت ہے جو مقصد تمہارا ہے
خدا وہ دن کرے گردوں کے تارے بن کے تم چمکو

علم بردار ہیں انگریز اُس تہذیب کے جس نے
دیا ہے درسِ آزادی تمام اقوامِ عالم کو

حکومت آج تم کو سونپ کر ہو جائیں ہم رخصت
مگر اندیشہ اس میں ہے فقط اس بات کا ہم کو

ہمارے بعد کون اس ہاتھ کی شوخی کو روکے گا
جو بیکل ہے کہ لا کر ڈال دے گنگا میں زمزم کو

مسلماں ہندوؤں کو ایک حملے میں مٹا دیں گے
اُڑا لے جائے گا یہ آفتاب آتے ہی شبنم کو

کسی نے کاش یہ تقریر سن کر کہہ دیا ہوتا
کہ ڈرا سکتے نہیں ہو تم اب ان فقروں سے ہم کو

مسلماں بھولے بھالے اور ہندو سیدھے سادے ہوں
نہیں احمق مگر ایسے کہ سمجھیں انگبیں سم کو

نبٹتے آئے ہیں آپس میں اور اب بھی نبٹ لیں گے
اگر تم بن کے ثالث بیچ میں ان کے نہ آدھمکو

گولیوں کا کھیل

جیل کے افسر ہیں خوگرِ بربریت ہی سے کیوں
آدمی ہو کر ہیں عاری آدمیت ہی سے کیوں

"بدمعاشی" شیوہ ہے زنداں میں سب احرار کا
اس قدر ضد پھر حکومت کو ہے حریت ہی سے کیوں

کچھ بھی گر ہوتا شریف، سب بے شرف کو پاس دیں
جا کے یہ کمبخت ٹکراتا خلافت ہی سے کیوں

قادیاں جب "حجتِ الملت" کا منکر نہیں
پھر اسے انکار ہے ختمِ رسالت ہی سے کیوں

روس کی طاقت سے جب برطانیہ خائف نہ ہو
لرزہ براندام ہے ترکوں کی ہیبت ہی سے کیوں

چین میں تو چار سو ملین نفوس آباد ہیں
یہ ڈر افغانوں کی مٹھی بھر جماعت ہی سے کیوں

جب ہمارا سینہ حاضر ہے تو اُن کی گولیاں
کھیلتی ہیں خواجہ کی دیوارِ تربت ہی سے کیوں

چور اگر دل میں نہ ہوتا پھر حکومت جانچتی
ہند کے طرزِ عمل کو اپنی نیت ہی سے کیوں

چاند میں تیل

بڑھا جب طالب العلموں کا اصرار
کہ چشمے تیل کے بھی ہیں قمر میں

زمیں ہی کی طرح ہے چاند کی ساخت
وہاں کیوں ہو نہ وہ ہیئت حجر میں

کہا استاد نے یہ سب خیالات
غلط ہیں اہلِ بینش کی نظر میں

اگر جرمِ قمر میں تیل ہوتا
پہنچ جاتا جھٹ انگریزوں کے گھر میں

گڑا ہوتا قمر پر اُن کا جھنڈا
پڑے ہوتے شگاف اس کے جگر میں

یہیں موجود لائڈ جارج ہوتے
بناتے کیوں مقر اپنا سقر میں

اس استقرا کی صحت میں نہیں شک
پڑے ناحق ہو تم بوک وگر میں

اصلیّت

هَلْ اَتیٰ عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا

تیرے پتلی گھر میں موٹر بھی ہے اور انجن بھی ہے
بھاپ کے یک راں بھی ہیں اور برق کا توسن بھی ہے
ببر کو موجود ہے ساری زمیں کا صحن بھی
اور فضائے چرخِ مینا کار کا آنگن بھی ہے
غرقِ آہن کشتیاں بھی ہیں قطار اندر قطار
اور فلک پرواز طیاروں کی اک پلٹن بھی ہے
نیل کے چشمے بھی ہیں جو اک جہاں کو پھونک دیں
جس کی دلالی میں مُنہ کالا ہو وہ ایندھن بھی ہے
آتش افشاں توپ بھی ہے خونچکاں تلوار بھی
مشق کی خاطر کسی کا سینۂ و گردن بھی ہے
جج بھی ہیں، اُن کی کچہری بھی ہے اور اس کے قریب
بے زبانوں کے لئے انصاف کا مدفن بھی ہے
جیل خانے بھی ہیں جن کی چھت میں روشنداں بھی ہیں
اور کسی کے نالۂ شبگیر کا روزن بھی ہے
تا کہ دب جائے اس میں نالۂ مظلوم کی
پاس ہی گرجا بھی ہے، گھنٹہ بھی ہے، ٹن ٹن بھی ہے
لیکن اے صورت گرِ بُت خانۂ تہذیب تو
کچھ تجھے یاد اپنی شانِ لم یکن شیئاً بھی ہے

تہذیب

لاش مہدی کی جلادی، واہ کیا تہذیب ہے
پھر ہوا میں راکھ اُڑادی، واہ کیا تہذیب ہے

ضد تو اس کو دیں سے تھی لیکن معین الدین کی
قبر پہ گولی چلادی، واہ کیا تہذیب ہے

راہزن تو خود ہے لیکن تہمت اپنے پیشہ کی
اولیاؤں پر جمادی، واہ کیا تہذیب ہے

کہتے کہتے وعظِ امن اور دیتے دیتے درسِ صلح
خون کی ندی بہادی، واہ کیا تہذیب ہے

تاکہ اپنے لمپ میں جو تیل ہے وہ تھڑ نہ جائے
آگ موصل میں لگادی، واہ کیا تہذیب ہے

گر کسی اخبار نے لکھ دی کوئی بے لاگ بات
اُس کی جھٹ قُرقی کرادی، واہ کیا تہذیب ہے

قابلیت کی جب اک اک شرط پوری ہو چکی
قیدِ رنگت کی بڑھادی، واہ کیا تہذیب ہے

خاکساروں سے اکڑ کر سرپھروں کے سامنے
عجز سے گردن جھکادی، واہ کیا تہذیب ہے

جس نے پیمانِ وفا باندھا اُسی کمبخت کو
اپنے پیماں کی سزادی، واہ کیا تہذیب ہے

پیار سے چھینا برار اور جب کیا عذر اُس نے پیش
جنگ کی دھمکی سنادی، واہ کیا تہذیب ہے

دوستی کے پردہ میں ہر قوم سے کی دشمنی
ایک عالم کو دغا دی، واہ کیا تہذیب ہے

سنگھٹنیے

صلاحیں کر رہے ہیں سنگھٹنیے بیٹھ کر باہم
کہ بھارت کے سپوت اور مالوی جی کے بھگت بنیے

اکھاڑے کھودیئے ڈنٹر پیلیے لٹھ باندھ کر پھریئے
اکڑتے اینٹھتے چلئے بر رئیے اینڈ یئے تنیئے

مسلماں گر اُٹھائیں سر تو برسا دیجئے اینٹیں
اب اس میں خواہ ہوں اجمیر تیے یا ہوں سہارنیئے

چھٹی کا دودھ یاد آجائے ان اورنگ زیبوں کو
بتادیں بھاؤ آٹے دال کا اسلام کو بنیئے

کہیں کچلو کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آجانا
تم ان لوگوں کو کیا جانو یہ ہرجائی ہیں ہر فنیئے

یہ چرچے ویدیوں میں ہیں کہ رن ہی جیتنا ٹھہرا
تو پرتاب اور سانگا کی طرح کے سورما جنیئے

مسلمانوں سے کہتے ہیں یہ شردھانند کے چیلے
کہ کچھ دن آپ بھی اب تختۂ مشقِ جفا بنیئے

اُدھر سنگھٹن کی چکی ہے ادھر شدھی کی چھلنی ہے
جو گیہوں کی طرح پسئے تو آٹے کی طرح چھنیئے

ہماری چلتی گاڑی میں اگر اٹکائیں گے روڑا
تو بچ کر جائیں گے ہم سے نہ پٹولیئے نہ ساھنیئے

میثاقِ ملّی

کس کے ہنر نے ٹوٹے ہوئے دل جوڑے تھے کس دشواری سے
لکھنؤ جا کر سن لو یہ قصہ قبلۂ عبدالباری سے

صدہا سال کے بچھڑے ہوؤں کو کس نے ملایا آپس میں
پھوٹ پھر اس میں ڈال دی کس نے اپنی سیہ کرداری سے

کام اہنسا سے نہ چلے گا کانگریس میں اسلام بھی ہے
مالوی جی کرتے ہیں تو یدان ویش کی ہر زناری سے

ووٹ بڑھانے کے لئے دینا کفر کا لقمہ ایماں کو
آڑ دھرم کی برہمنوں نے لی بھی تو کس ہشیاری سے

پھیل گیا سب جسم کے اندر روگ نرالا شدھی کا
اب تو خدا ہی ہے جو شفا دے قوم کو اس بیماری سے

آپ کی قلت میں بھی ہو کثرت آپ ہوں حاکم ہم محکوم
فائدہ ہم کو خاک ملا اس وضع کی خود مختاری سے

آپ جو ہوں چیت پھر بھی رہیں پٹ داؤں تو بیشک اچھا ہے
آنکھ میں لیکن پڑ نہیں سکتی دھول اب اس عیاری سے

داس سے اور آزاد سے پوچھو ملت کے میثاق کا راز
عقدہ یہ ہرگز کھل نہ سکے گا لاجپت اور انصاری سے

کاش رہا وہ قائدِ ملت بچ یہ دو لاسے ہو جائے
ہندو و مسلم ایک ہوئے تھے جس کی علم برداری سے

گاندھی اور مالوی

اُدھر گاندھی ہمیں تلقین کرتے ہیں اہنسا کی
کہ مضمر ہے نجات اس مسئلہ میں ساری دُنیا کی

وہ اٹنا کی طرح گر شعلہ افشاں ہوں تو ہونے دو
مگر تم پیروی چھوڑو نہ خاموشی میں گنگا کی

تشدد ہو تو دو اُن کو تحمل سے جواب اس کا
کہ ہیبت یوں ہی زائل ہو سکے گی مارشل لا کی

اسی حربہ سے اُلٹا تھا مسیحیت نے روما کو
چلن سیزر کا چھوڑو عادتیں سیکھو مسیحا کی

اِدھر سنگم سے اُٹھ کر مالوی اپدیش دیتے ہیں
کہ مٹ جائے گی جاتی گر نہ عامل ہو گی گیتا کی

ابھی تک نسلِ بابر حکمراں اس دیس پر ہوتی
اہنسا ہی کے بل پر زندگی کٹتی جو سانگا کی

تم اک چانٹے کے بدلے چار چانٹوں کا کرو ساماں
یہی تہذیب ہے دراصل کاشی اور متھرا کی

کمر میں گوپیاں پستول گھر سے باندھ کر نکلیں
تو اندر لوک میں خوش آتما ہو گی کنھیا کی

اگر ہتھیار بے لیسنس مل سکتے نہ ہوں تم کو
تو کر سکتے ہو اینٹوں سے مدارات اپنے اعدا کی

پھر اک چھوٹا بڑا سُن سُن کے یہ باتیں، بپھر جائیں
عجب اس وقت حالت ہو رہی ہے پیر و برنا کی

مقلد مالوی جی کے ہوں یا پیرو ہوں گاندھی کے
سراسر آتشی بن جائیں یا ہوں سر بسر خاکی

ہندوؤں کی محکومی کے اسباب

لالہ لاجپت رائے کی تاریخِ ہند پر ایک نظر

لاجپت رائے نے تاریخ تو لکھی ہے مگر
جس سے روشن ہو ضمیر اس میں وہ تحکیم نہیں

مسئلہ یہ ہے کہ با ایں ہمہ عظمت ہندو
کشورِ ہند میں کیوں صاحب دیہیم نہیں

سینکڑوں سال سے اغیار کے ہیں کیوں یہ ذلیل
اور ڈبے ان سے غلامی کے جراثیم نہیں

اس تنزل کے علل پر ہے مؤرخ کو عبور
لیکن اصلی جو سبب ہے وہی تسلیم نہیں

ہیں فقط اس لئے اغیار کے محکوم ہنود
کہ انھیں دی گئی توحید کی تعلیم نہیں

آج جھک جائیں اگر ایک خدا کے آگے
سرِ افلاک جھکے ان کے لوا کے آگے

تو بھی اے برہمن آئین براہیمی سیکھ
توڑ دے بُت کی جو گردن وہ تبر پیدا کر

اب بنا اپنے لئے کوئی نیا ہی مندر
نئی دیوار کے اندر نئے در پیدا کر

تاکہ ہر وقت ترے گھر کی نگہبانی ہو
جس کا ہمسایہ ہو اللہ وہ گھر پیدا کر

جو ہر انسان کی گردن میں حمائل ہو جائے
ایسے زنار کی بندش کا ہُنر پیدا کر

جو ابد تک نہ مٹے قشقہ جبیں میں وہ لگا
خاک سے سجدۂ پیہم کا اثر پیدا کر

خود بخود غیر پہ طاری تری ہیبت ہو گی
دل میں پہلے مگر اللہ کا ڈر پیدا کر

سلطنت کی ہے تمنا تو موحد بن جا
خاک اکسیر ہو جس سے وہ نظر پیدا کر

تجھ میں گر علتِ گوسالہ پرستی نہ رہے
یوں حکومت کو تری قوم ترستی نہ رہے

خالصہ کا پیغام

خالصہ کا قول ہے دم میں تو نہال ہو — گر تری زبان پرست سری اکال ہو
کرنے دے انھیں جفا تو مگر نہ ہاتھ اُٹھا — خواہ کیسی ہی قوی وجہِ اشتعال ہو
اک جہاں کے واسطے صدق کی نظیر بن — اک زمانہ کے لیے صبر کی مثال ہو
برچھیوں کے وار کو روکنا اگر پڑے — کینہ سے دُھلا ہوا سینہ تیری ڈھال ہو
حق کی جلوہ گاہ میں شانِ کردگار بن — حق کی شاہراہ پر جا کے پائمال ہو
مسلم برشتہ جاں دیکھ کر یہ کہیں — تیری ہی روش نہ ہو تیری ہی نہ چال ہو

ہم تو سر کے بل گئے قتل گاہِ عشق میں
تیز ہو چکی چھری تو بھی چل حلال ہو

ہمہ اوست یا ہمہ از اوست

جو سواراج کے حامی ہیں — سچے انتر یامی ہیں
لاج انھیں سے یوگ کی ہے — دیش بھگت جو سوامی ہیں
رام نے دھارا روپ نیا — بن گئے ایشر نامی ہیں
کیوں اس رنگ میں خود بھگوان — کر رہے اپنی غلامی ہیں

دیکھئے اس پر کیا اپدیش
دیتے حسن نظامی ہیں

گیانی کا ترانہ

کل شام کے وقت ایک پھٹے حال گیانی
گلیوں میں بجاتا ہوا پھرتا تھا دو تارا

ہر زخمہ سے لگتی تھی نئی چوٹ جگر پر
ہر نغمہ سے کرتا تھا دلوں کو وہ دوپارا

ہر گت سے ملاتا تھا خلا میں وہ ملا کو
اور چھیڑتا جاتا تھا یہ آہنگ دل آرا

کچھ تم کو خبر بھی ہے کہ برطانیہ نے کیوں
گدی سے مہاراجہ نابھہ کو اتارا

کیوں خالصہ کی ناؤ پڑی آ کے بھنور میں
کیوں ڈوب گیا پنتھ کی قسمت کا ستارا

اُس کی یہ خطا تھی کہ ہے ملت سے اُسے عشق
اُس کا یہ گنہ تھا کہ ہے مذہب اُسے پیارا

اس جرم کی تعزیر میں ہم قید تھے کل تک
اور آج گرفتار ہے سردار ہمارا

کیوں تم سے ہے مخفی یہ حقیقت کہ ہمیشہ
بہتا نہیں اک سمت میں تقدیر کا دھارا

ڈھلتی ہوئی پھرتی ہوئی اک چھاؤں ہے دولت
تم کون ہو جن سے نہ کرے گی یہ کنارا

دُنیا میں نہ یوناں ہے نہ روما ہے نہ ایراں
باقی نہ سکندر ہے نہ قیصر ہے نہ دارا

ہم بھی کبھی اس ملک میں تھے صاحبِ دیہیم
مشہور تھے ہم تا بہ سمرقند و بخارا

لیکن کبھی احساں کی روش ہم نے نہ بدلی
جو قول دیا ہم نے وہ مر کر بھی نہ ہارا

اک ہم تھے کہ ہم نے جسے پکڑا اُسے چھوڑا
اک تم ہو کہ تم نے جسے تاکا اُسے مارا

کب تک یہ تشدد یہ مظالم یہ جفائیں
کس دن کے لئے یہ ستم و جور تمہارا

تم کر نہ سکو گے کبھی اُس جذبہ کو پامال
گرتی ہُوئی قوموں کو سدا جس نے ابھارا

وہ خون جو سکھوں نے بہایا ہے کسی دن
بن جائے گا پنجاب کی تعمیر کا گارا

چین آ نہیں سکتا ہمیں جب تک نہ بٹھا لیں
مسند پہ مہاراجہ نابھہ کو دوبارا

ہے کوئی حق آگاہ جو باطل سے نہ جھجکے
ہے کوئی جو انگریز سے پُوچھے یہ خدارا

کیوں فلسفہ اپنا ہی کیا تم نے فراموش
کیوں اپنے ہی مکتب کا سبق تم نے بسارا

فرزندانِ سرحد

ملک الموت کو خاطر میں نہ لانے والے
گولیاں تانے ہوئے سینوں پہ کھانے والے

قبر تک صبر کو سہتے ہوئے جانے والے
صبر کا معجزہ دُنیا کو دکھانے والے

رنگ اسلام کا محفل میں جمانے والے
اپنے ہی خونِ شہادت میں نہانے والے

اپنے اقبال کا نقارہ بجانے والے
ناچ طاغوت کو انگلی کا نچانے والے

دل کی بستی کو محبت سے بسانے والے
شیخ کا جوڑ برہمن سے ملانے والے

ہندوؤں کے لئے گھر بار لُٹانے والے
شانِ ایثار زمانہ کو دکھانے والے

کشورِ ہند کو آزاد کرانے والے
نامِ مشرق سے غلامی کا مٹانے والے

جانتے بھی ہو کہ کس خاک سے اٹھی ہے یہ قوم
جس کے گُن گاتے ہیں اور گائیں گے گانے والے

فخر ہے صوبۂ سرحد کو کہ اس کے ذرّے
ہیں خمیر اس کی شجاعت کا اُٹھانے والے

دنگ ہیں دیکھ کے اس قوم کے یہ رنگ یہ ڈھنگ
نارمن بولٹن اور اُن کے گھرانے والے

گجرات جیل
۱۹۳۰ء

حق و باطل کی آویزش

بسکہ ہے دینِ مبیں کو سُست پیمانوں سے گزند
عالمِ اسلام کذابوں سے بدظن ہو گیا

کوہِ دامن سے بھڑک اٹھی ہے غزنی تک وہ آگ
جس سے جل کر خاک بدعہدی کا خرمن ہو گیا

وہ شکارافگن فرنگ آویز تھی جس کی کمند
کُشتۂ نازِ بُتانِ سامری فن ہو گیا

جگمگانے کو ہے پھر دارالاماں میں وہ چراغ
جس سے روما غیرتِ اقصائے ایمن ہو گیا

رو رہے ہیں جیکر و پیرو کہ قصرِ سینٹ جیمز
اُن کی زنگار رنگ امیدوں کا مدفن ہو گیا

اب کہاں وہ عندلیبوں کی نوا آرائیاں
شاخِ گل کا سایۂ افعی نشیمن ہو گیا

دل لبھانے کا نہ سیکھا جان بل نے ایک ڈھنگ
لٹھ گھمانے میں وہ بیشک کامل الفن ہو گیا

قیمت اس اک قطرۂ خوں کی ہے ساری کائنات
جس سے مظلومی کا پیراہن مزین ہو گیا

اک بنارس کے برہمن نے لئے موتی وہ رول
جس سے خالی شیخ مہرولی کا دامن ہو گیا

کیا چھپے نظروں میں سورج جب اُجالے کے لئے
ہند کی سب دیویوں کا نام روشن ہو گیا

وہ وفا کی پتلیاں جن کی شجاعت دیکھ کر
دنگ چرچل رہ گیا حیران اروِن ہو گیا

آج باطل سرنگوں ہے اور حق ہے سربلند
فتح سیتا کی ہوئی مغلوب راون ہو گیا

گجرات جیل

---

۲۷ دسمبر ۳۰ء

اسلام کی شہنائی

ہیں نوا ریز آج بھی کانوں میں وہ شہنائیاں
جن سے گونجی تھیں کبھی آفاق کی پہنائیاں

آج بھی لاتی ہیں جا کر عرشِ اعظم کی خبر
نعرۂ اللہ اکبر کی فلک پیمائیاں

آج بھی آنکھوں میں ہیں اسلام کی دہلیز پر
امتِ عیسیٰ کی نخوت کی جبیں فرسائیاں

حُسنِ اُمتِ لم یزل ہے چھن رہی ہیں آج بھی
اس کی قامت سے شبابِ رفتہ کی رعنائیاں

نقش ہیں ہندوستاں کی طرح جاں پر آج بھی
ملتِ بیضا کی محفل کی نگار آرائیاں

رہنما گم کردہ رہ ہیں ورنہ رہرو پھاند جائیں
آج بھی جبر الٹر جیسی ہزاروں کھائیاں

پاک خطہ ہو بریلویوں کے ستم کا آج اگر
کارفرما ہوں نہ اپنوں کی کرم فرمائیاں

ربِ اکبر سے ہو گر پیماں ہمارا استوار
پھر وہی گیرائیاں ہوں اور وہی دارائیاں

لاہور سنٹرل جیل
۶؍ جنوری ۳۱ء

طاقتِ ایمان

وطن کو میں چمنستاں بنا کے چھوڑوں گا
اور اس کی صبح کو خنداں بنا کے چھوڑوں گا

ہر ایک وقت کے دارا کو اور سکندر کو
میں اپنے قصر کا درباں بنا کے چھوڑوں گا

میں نام لے کے محمدؐ کے زیرہ دستوں کا
حریفِ رستمِ دستاں بنا کے چھوڑوں گا

ادب نماز کے اوقات کا وہ سیکھے گی
میں کانگرس کو مسلماں بنا کے چھوڑوں گا

لہو شہید کا لوں گا اور اس کی سرخی کو
میں غازۂ رخِ ایماں بنا کے چھوڑوں گا

وہ قہر و جبر میں پنہاں ہے جس کی دشواری
میں زورِ صبر سے آساں بنا کے چھوڑوں گا

لاہور سنٹرل جیل
۲۸ ر دسمبر ۱۳۱ء

آزادی کا راز

مسلمانو! ہے آزادی کا یہ اک سہل سا لٹکا
محمدؐ کی غلامی کا کمر سے باندھ لو پٹکا

نشاں مٹنے نہ پائے دیکھنا امت کے ماتھے سے
حضورِ خواجۂ یثرب کے دروازے کی چوکھٹ کا

مدارا دشمنوں سے ہو تلطف دوستوں سے ہو
نہ جو اس راز کو سمجھا وہ سیدھی راہ سے بھٹکا

اسی تعلیم سے برگشتگی تھی جس نے پل بھر میں
زمیں پر آسماں سے ملتِ بیضا کو دے ٹپکا

گلا کاٹو نہ تم اپنا اگر خود اپنے ہاتھوں سے
تو ہو سکتا نہیں کچھ بھی نہیں تقدیر کا کھٹکا

فریادِ جرس

آزادیٔ وطن کے طلب گار ہیں کہاں
مشتاقِ جلوۂ رسن و دار ہیں کہاں

دُنیا خرابِ بادۂ پندار ہو گئی
خمِ خانۂ الست کے سرشار ہیں کہاں

شیطان کا آستانہ ہے آدم کی سجدہ گاہ
اے ربِّ کعبہ تیرے پرستار ہیں کہاں

کب سے بھٹک رہا ہے اندھیرے میں قافلہ
اسلامیوں کے قافلہ سالار ہیں کہاں

حرف آ رہا ہے عزّتِ دینِ حنیف پر
ملّت کی آبرو کے نگہدار ہیں کہاں

ایماں بھی سر بکف ہو جو خنجر بکف ہے کفر
لیکن ہم اس کے واسطے طیّار ہیں کہاں

موت اک حیاتِ تازہ کی جس کو نوید تھی
اس زندگی کے قوم میں آثار ہیں کہاں

لاہور سنٹرل جیل سنہ ۱۹۳۱ء

کانگرس اور حکومت کی صلح

(ذیل کی نظم گاندھی اِروِن سمجھوتہ پر گجرات سپیشل جیل سے رہا ہونے پر مولانا نے لکھی)

ہندوستاں غلام تھا آزاد ہو گیا
اُجڑا ہوا یہ باغ پھر آباد ہو گیا

بلبل قفس سے اُڑ گئی پَر تولتی ہوئی
قید اس قفس میں آج سے صیّاد ہو گیا

اہلِ وطن رہا ہوئے قیدِ فرنگ سے
جس نے سُنا یہ مژدہ وہ دل شاد ہو گیا

برطانیہ کا جبر، کیا جس پہ ہم نے صبر
ہندوستاں کے امن کی بنیاد ہو گیا

دہلی میں خون ہو گئی لندن کی آرزو
دفتر اس اقتدار کا برباد ہو گیا

چرچل نے جب سُنا کہ رہی کانگرس کی جیت
گرمِ فغان و نالہ و فریاد ہو گیا

گاندھی کہ سرکشوں کے سر اُس نے جھکا دیے
اس فن میں اس زمانہ کا اُستاد ہو گیا

نقشِ وفا بنا شہدائے وطن کا خون
اس خون سے صلح نامہ پہ جب صاد ہو گیا

غنیم جی

ہے اس عقیدے پہ ہند قائم کہ رام بھی ہے رحیم بھی ہے
اُدھر الف واؤ میم بھی ہے اِدھر الف لام میم بھی ہے

بندھا ہوا پیٹ پر ہے پتھر مگر ہمالہ سے سر ہے اُونچا
میں ہوں مسلمان وضع میری جدید بھی ہے قدیم بھی ہے

سزا گناہوں کی دے چکا ہے جزا پشیمانیوں کی دے گا
کہ منتقم ہے خدا ہمارا مگر غفور الرحیم بھی ہے

جب آئے ہم جیل میں تو ہم پر کھلا کہ یورپ ازل کے دن سے
دروغ گو بھی ہے حیلہ جُو بھی، کمینہ بھی ہے لئیم بھی ہے

اگر ہم آزاد ہیں تو جنّت، غلام اغیار ہیں تو دوزخ
یہ جاں سے پیارا وطن ہمارا بہشت بھی ہے جحیم بھی ہے

چمن میں فصلِ گُل آ رہی ہے خزاں کے ایام جا رہے ہیں
کرشمہ گستر ہیں لالہ و گُل تو نکہت افشاں نسیم بھی ہے

وہ پیسہ پیسہ کا چند دن میں فرنگیوں سے حساب لے گا
لنگوٹی والا ہمارا گاندھی مہاتما بھی، غنیم بھی ہے

پرچمِ ہند کی اُڑان

میری طرح مسٹری نہیں لٹھ وہ پولس کے کھائے کیوں
بیٹھ کے وائسرائے کے ساتھ شیخ پیٹے نہ چلے کیوں

قیدِ فرنگ، و بندِ زیست فرق سے بے نیاز ہیں
موت سے پہلے آدمی جیل سے باہر آئے کیوں

ضبطِ فغاں ہے ہم نفس جبرِ فرنگ کا جواب
دعوئِ صبر ہو جسے درد سے تلملائے کیوں

بے گنہوں کے خوں کا داغ ہا پیرہنِ فرنگ پر
پردۂ انقلاب میں رنگِ قضا نہ لائے کیوں

ٹوڈیوں کی ہر اک دلیل جبکہ ہے خس سے بھی ذلیل
بیٹھ کے گول میز پر دینے لگے وہ رائے کیوں

دودھ پلانے کے لیے بیوی ہے گھر میں جیب ڈھیل
لالہ جی پھر خرید کر گاؤں سے لائے گائے کیوں

جس کے قدم کی خاک ہو سارے جہاں کی سجدہ گاہ
غیر کے آستانہ پر جا کے وہ سر جھکائے کیوں

برہمن اور شیخ کے دل ہوں اگر ملے ہوئے
تام نئے نئے ستم آئے دن اُن پہ ڈھائے کیوں

ہے رگِ جاں کی شرمسار پرچمِ ہند کی اُڑان
جو نہ پلا سکے یہ ڈور وہ یہ پتنگ اُڑائے کیوں

ابرِ محیطِ انقلاب سارے جہاں پہ چھا گیا
ہند پہ بھی یہ ابرِ تر جھوم کے چھا نہ جائے کیوں

سالِ نو کا ہنگامہ

برطانیہ کی چھڑ گئی ہندوستاں سے جنگ
حالانکہ اس سے جنگ ہے سارے جہاں سے جنگ

گیتا سے اور گرنتھ سے زور آزمائیاں
قرآں کی آیتوں کے قشونِ گراں سے جنگ

ارجن کے اور بھیم کے گھر سے مقابلہ
پھر خاندانِ سرورِ کون و مکاں سے جنگ

توحید کے عَلَم کو جھکانے کے حوصلے
جو قدسیوں کے ہاتھ میں ہے اس نشاں سے جنگ

سرحد کے غازیوں کو کچلنے کی نیتیں
بچے سے جنگ، بوڑھے سے جنگ اور جواں سے جنگ

صلح و سلام و امن و اماں جس کی ہے متاع
غارت گروں کی ٹھن گئی اس کارواں سے جنگ

برق اور دُخاں پہ کیوں نہ ہو ایمان خندہ زن
کرنے چلی ہے آج زمیں آسماں سے جنگ

ہے زیردستیوں پہ زبردستیوں کی تاخت
موران نیم جاں کی ہے پیلِ دماں سے جنگ
دھاوا اسپاہِ جبر کا ہے غنبلِ صبر پر
توپ اور تفنگ کی ہے قلم اور زباں سے جنگ
ہم ناتواں سہی، ہے خُدا تو ہمارے ساتھ
اب بھی وہ کرتے ہیں تو کریں ناتواں سے جنگ
ذرّہ کے ساتھ جنگ ہے جنگ آفتاب سے
خفّاش کی عبث ہے شہِ خاوراں سے جنگ

آزادی کا بگل

بدلی ہے زمانے کی ہوا تم بھی بدل جاؤ
ہاتھ آ نہیں سکتا ہے گیا وقت سنبھل جاؤ
جدّت مگر اس درجہ ہے بے خوں ہیں کہ موسم
گر برف کے سانچے میں بھی ڈھالے تو پگھل جاؤ
محنت کے بلاخیز سمندر کے نہنگو
سرمایہ کی مچھلی کو سمو چاہی نگل جاؤ
آزادیٔ کامل کا عَلَم ہاتھ میں لے کر
میداں میں بجاتے ہوئے ایماں کا بگل جاؤ
ہے آٹھ پہر سے نئی تہذیب کی بارش
رستہ میں ہے کیچڑ کہیں اس میں نہ پھسل جاؤ
حیران ہیں مغرب کے کفن چور کہ مُردے
چلّاتے ہیں قبروں میں کہ مشرق سے نکل جاؤ

برطانیہ کی میز سے کچھ ریزے گریں گے
اے ٹوڈیو چُننے تم اُنھیں پیٹ کے بل جاؤ

درسِ عبرت[1]

اک نیا درس دیا گردشِ دوراں نے مجھے
دی ہے دعوت اگر اس مرتبہ زنداں نے مجھے

میرے ایماں کی فراست نے جتایا مجھ کو
کہ کیا بے سروساماں مرے ساماں نے مجھے

ہیں اگر سوختہ ساماں ہوں تو یہ روزِ سیاہ
خود دکھایا ہے مرے گھر کے چراغاں نے مجھے

کوئی کافر مری تذلیل نہ کر سکتا تھا
مرحمت کی ہے یہ سوغات مُسلماں نے مجھے

سربلند اب بھی مجھے دیکھ رہی ہے دُنیا
کہ عطا کی ہے یہ طاقت مرے ایماں نے مجھے

لاہور سنٹرل جیل
۱۹ر دسمبر ۱۹۶۱ء

سنٹرل جیل لاہور

آج جن کی یہ خطا ہے کہ ذرا کالے ہیں
پی رہے اُن کا لہو جیل کے رکھوالے ہیں

کبھی کولھو کی مشقت، کبھی چکّی کا عذاب
جس سے ہاتھوں میں بچاروں کے پڑے چھالے ہیں

---

[1] مولانا انکم ٹیکس کی قسط بروقت ادا نہ کر سکے اور جیل بھیج دیے گئے۔ اس موقع پر یہ نظم کہی گئی جس کا انداز جیل میں کہی گئی سیاسی نظموں سے مختلف ہے۔

گوشت اور خون کے پرزے ہیں جو انگریزوں نے
قیصریت کی مشینوں کے لئے ڈھالے ہیں

قید گورے بھی ہیں چوری میں مگر ان کے لئے
جیل سرکار نے گلزار بنا ڈالے ہیں

ہم کسی بات میں کم اُن سے نہیں ہیں لیکن
اس کو کیا کیجئے وہ گورے ہیں ہم کالے ہیں

رنگ کے فرق پہ موقوف ہے قانونِ فرنگ
یُوں نکلتے نئی تہذیب کے دیوالے ہیں

ہو گئے کس لئے کونسل کے سب ارکاں خاموش
وہ بھی کیا ان ستم آرائیوں کے آلے ہیں

کملی والے تری اُمت کو نہ کمل بھی ملے
ٹوپی والوں کو اُڑھائے گئے دوشالے ہیں

بڑے دن کا یہی احرار کو انعام ملا
کہ زد و کوب سے جانوں کے پڑے لالے ہیں

ہو گئیں زندہ روایاتِ اُحد زنداں میں
دانت ٹوٹے ہیں انھیں کے جو خُدا والے ہیں

یُونہی روتا رہا اسلام تو بہ نکلیں گے
عرش پہ جتنے مکافات کے پرنالے ہیں

نشہ ہو جائے گا دولت کا بہت جلد ہرن
کہہ دو اُن سب سے جو اس نشہ کے متوالے ہیں

سنٹرل جیل لاہور
۲۵ دسمبر ۱۹۳۰ء

آموختہ

کیا حکومت نے چند دن کے لئے جو زنداں میں بند تجھ کو
تو شکرِ حق کر کہ راہِ حق میں پہنچ رہا ہے گزند تجھ کو

جس آزمائش میں پڑنے والے حیاتِ جاوید پا چکے ہیں
اُس امتحان کے لئے کیا ہے ترے خدا نے پسند تجھ کو

جو تجھ کو صیاد چھوڑ دیتا سمجھ کے صیدِ زبوں تو کیا تھا
کشاں کشاں لے گئی حرم تک مگر خود اُس کی کمند تجھ کو

حسینؓ کا سر ہے آسماں پر کہ رہ چکا تھا کبھی سناں پر
تو کم سے کم سر بکف تو ہو جا جو سر ہے کرنا بلند تجھ کو

بھرا ہوا زہر کا پیالہ جو آگے آئے تو اس طرح پی
کہ گھول کر دے رہا ہے گویا حریف ساغر میں قند تجھ کو

زمیں کو لرزا افلاک کو چکرا عرب کو گرما عجم کو تڑپا
ملا ہے فطرت کی ارجمندی سے دل اگر دردمند تجھ کو

وہی ہو اندازِ بسملی کا جو شیوۂ ترکِ نیم جاں ہے
اگر کٹانا پڑے مجاہد کے نام پہ بند بند تجھ کو

یہ چند نکتے ہیں اس سبق کے جو تُو کئی بار پڑھ چکا ہے
وہی سجھائی ہوئی حقیقت سجھاؤں پھر تا بچند تجھ کو

بلالستان

یہ جا کر کوئی کہہ دے مغربی کشور کشاؤں سے
کہ ہے بے سُود اُلجھنا ربِّ اکبر کی قضاؤں سے
بہالے جا چکی ہے بارہا باطل کو رَو جس کی
وہ دریا پھر برسنے کو ہے بطحا کی گھٹاؤں سے
نجاشی کے وطن پر سایۂ لطفِ پیمبر ہے
نہ ٹکراؤ بلالستان کی کالی بلاؤں سے
اثر پھر چھیننے والا ہے محمد کی دعاؤں کا
اڈووا کی طرح عدیس ابابا کی فضاؤں سے
ہلا دی تھیں جنھوں نے روضۃ الکبریٰ کی بنیادیں
مسولینی کی ٹکر ہے پھر اُن تیغ آزماؤں سے
زمیں کر دی گئی تھی تنگ جن کی ترکتازی پر
اماں اب مانگی جاتی ہے اُنھیں کوتہ قباؤں سے
عرب کا اور عجم کا رشتہ ربِّ کعبہ نے جوڑا
بغل گیر آشنا پھر ہو رہے ہیں آشناؤں سے
گدا نے شاہ کو ہر مرتبہ نیچا دکھایا ہے
ہوئی ہے جب کبھی شاہوں کی آویزش گداؤں سے

سلیقہ سیکھنا ہو بم گرانے کا نہتوں پر
تو جا کر سیکھ لو یورپ کے جنگی دیوتاؤں سے
وہ نا فرجام بیڑا ڈوب بنے سے بچ نہیں سکتا
خدا کا ساتھ چھوٹا جس کے خود بیں ناخداؤں سے

کعبہ اور اُس کی بیٹیاں

مرکزِ توحید پہلے دن سے ہے بیت الحرام
مشرق و مغرب میں ہے پھیلا ہوا جس کا نظام
بیٹیاں کعبہ کی ہیں سارے جہاں کی مسجدیں
گھر ہیں تہذیبِ حجازی کا ہماری مسجدیں
نازل اس گھر میں ہوئیں دونوں جہاں کی رحمتیں
حضرتِ پیغمبرِ آخر زماں کی رحمتیں
آدمی آغوشِ یزداں میں پلا آ کر یہاں
نور کے سانچے میں یہ پتلا ڈھلا آ کر یہاں
نسلِ آدم کے شرف کا راز کھلتا ہے یہیں
اس کی پیشانی پہ تھا جو داغ دھلتا ہے یہیں
نام ہوتا ہے اسی گھر سے بلند اللہ کا
فرق مٹتا ہے یہیں آ کر گدا و شاہ کا
ناتوانوں کو توانائی اسی گھر سے ملی
دردمندوں کو مسیحائی اسی گھر سے ملی

جبر و استبداد کی فوجیں رُکیں آ کر یہاں
گردنیں کسریٰ و قیصر کی جھکیں آ کر یہیں

امن کا انعام دلوایا اسی گھر سے گیا
صلح کا پیغام پہنچایا اسی گھر سے گیا

بزمِ گیتی کی ضیا اس گھر کی آزادی سے ہے
اسود و احمر کی رونق اس کی آبادی سے ہے

جس کے دل میں آئے گا اس گھر کے ڈھانے کا خیال
خاک میں اُس کو ملا دے گا محمد کا جلال

(سنہ ۱۹۳۶ء میں کرم آباد میں نظربندی کے زمانہ میں)

تخت یا تختہ

ڈر جاتے ہیں ایک ہی بھبکی سے دیتے ہی پیامِ آزادی کا
مر جاتے ہیں ایک ہی دھمکی میں اور لیتے ہیں نامِ آزادی کا

سودائے شہادت سر میں نہیں اللہ کی ہیبت دل میں نہیں
پھر کہتے ہیں قائم ہو نہ سکا دنیا میں نظامِ آزادی کا

اقبال وہاں ادبار یہاں تلوار اُدھر تقریر اِدھر
پڑھتے ہیں سبق انگریزوں سے کونسل میں غلامِ آزادی کا

اے معتکفانِ کنجِ حرم ملت کو ہے تم سے شکوہ یہی
بیٹھے ہوئے کرتے ہو حجروں میں تم کام تمام آزادی کا

تم کہتے ہو گاندھی جنھیں کچھ کر کے وہی دکھلاتے ہیں
سر ہاتھ میں لے کر مسئلہ حل کرتے ہیں عوام آزادی کا

پہلو میں ہو دل، دل میں ہو یقیں، سر پہ ہو کفن کف میں ہو سناں
جب جمع یہ اجزا ہوتے ہیں بنتا ہے قوام آزادی کا
انگورہ سے لے کر کابل تک مخلوقِ خدا آزاد ہوئی
دہلی کی خطا کیا ہے کہ یہاں چھلکا نہیں جام آزادی کا
گاندھی کی نظر یثرب کی طرف اٹھ جاتی تو خیر اک بات بھی تھی
یہ کیا ہے کہ سمجھے بیٹھے ہیں وردھا کو مقام آزادی کا
تاریخِ وطن کی جانب سے پیغام کوئی انگریز کو دے
آتا ہوا تم بھی دیکھو گے سورج لبِ بام آزادی کا
دُنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے
یا تختہ جگہ آزادی کی یا تخت مقام آزادی کا

(کرم آباد - اکتوبر ۱۹۳۶ء - زمانۂ نظر بندی)

مقتلِ ننکانہ

خونِ امرتسر کی سُرخی رونقِ ننکانہ ہے
کس قدر رنگیں ہماری بزم کا افسانہ ہے

جنسِ آزادی کی ارزانی مسلّم ہے مگر
خونِ ابنائے وطن اِس جنس کا بیعانہ ہے

سر کے بل چل کر اکالی آئے مقتل کی طرف
دل میں ہے شوقِ شہادت اور بے تابانہ ہے

جن کے قتلِ عام کا گھر گھر میں ہے ماتم بپا
زندۂ جاوید اُن کی ہمتِ مردانہ ہے

بے بصر سمجھے ہیں اِک انبارِ خاکستر جسے
اس کے ہر ذرہ میں رقصاں شوکتِ شاہانہ ہے

بت گری اس عہد میں ہے عقل و دانش کی دلیل
بت شکن اِس دور میں مجنون ہے دیوانہ ہے

گُردواروں پر مہنتوں کا تسلّط ہو گیا
خانۂ نانک نرائن داس کا بت خانہ ہے

اس کو محفل میں ہے اپنی جلوہ آرائی سے کام
شمع کیا جانے کہ جلتا کس لئے پروانہ ہے

کیا ہوا اگر ہاتھ پر تم نے لیا ریشم لپیٹ
اُس کے نیچے تو وہی فولاد کا دستانہ ہے

اک نہ اِک دن صورتِ حرفِ غلط مٹ جائیگی
جو حکومت مذہبی قانون سے بیگانہ ہے

اُس طرف گاندھی کی ہے شوکت علی سے ہم رُاہ
اس طرف شیطان سے سرکار کا یارانہ ہے

مرغِ دانا اب نہ ان گھاتوں سے پھانسا جائیگا
رازدارِ حلیۂ دامِ دفن زیب دانہ ہے

معرفت کا خُم مئے حق سے کبھی خالی نہیں
لطفِ ساقی اب بھی صرفِ گردشِ پیمانہ ہے

کیا ہوا بستی ہماری گر اجڑ کر رہ گئی
کل وہی آباد ہو گا آج جو ویرانہ ہے

شہیدی جتھا

کٹے ہیں جس قدر سر گنگ سر کے گُردوارے میں
ہے درج ان سب کی قربانی جزا کے گوشوارے میں

نہ گھائل کر سکی تھی جن کو ننکانہ میں آنکھ اُن کی
اُنہیں بھی اس نے تڑپا کر ہی چھوڑا اک اشارے میں
بچے جن کی تفنگوں سے نہ ننھے ننھے بچے بھی
ہے کیا تہذیبِ مغرب کا اب ارشاد ان کے بارے میں
ابھی دیکھا ہی کیا ہے تم نے اس خونیں تماشے کو
بہت سے کھیل باقی ہیں مداری کے پٹارے میں
جفا کی گرمیٔ بازار مظلومی کی رونق ہے
رہا کرتی ہے ظالم کی تجارت ہی خسارے میں
پلٹ کر زیر دست آزار کو اک دن اُلٹ دے گی
یہی گردش جو ہے اس وقت سکھوں کے ستارے میں
بہائے ہیں جنھوں نے بےکسوں کے خون کے دریا
وہ خود بہ جائیں گے تقدیر کی ندی کے دھارے میں

نہیں بخشا گیا ہے دیدۂ بینا تو دیکھو گے
ہزاروں راکھ کے ڈھیر ایک ناپھ کے شرارے میں

جبر و صبر

جُھک گئی سکھوں کے آگے کس طرح سرکار دیکھ
دیکھنے کیوں کر ہیں نیچا زیر دست آزار دیکھ
ڈوبتی ہے کس طرح منجدھار میں ظالم کی ناؤ
کس طرح ہوتا ہے مظلوموں کا بیڑا پار دیکھ
تو نے جلتے دیکھ لی ملت فروشوں کی دُکاں
سرفروشوں کی بھی آ کر گرمیٔ بازار دیکھ
مالوی جی کے پُرانے ہتھکنڈے کس کام کے
خالصہ جی کا نرالا شیوۂ پیکار دیکھ
جبر کی تلوار چلتے چلتے آخر گر گئی
صبر کا ہتھیار کام آیا ہے آخر کار دیکھ
اے کہ تھا بالسمع والطاعت کبھی تیرا شعار
ہو گئے غیر اس حقیقت کے علمبردار دیکھ
اے کہ تیری وضع کو کچھ ضد سی ہے تغیر سے
ابلقِ ایام کی بدلی ہوئی رفتار دیکھ
تُو نے دیکھے ہیں شہنشاہوں کے درباروں کے ٹھاٹھ
اب فقیروں کا بھی جنگل میں لگا دربار دیکھ

کٹ مری سکھوں کی قوم اپنے گرو کے نام پر
تو بھی مسلم اپنی جاں اپنے نبیؐ پر وار دیکھ

صلّی اللہ علیہ وسلم

رونقِ بزمِ دودۂ آدم صلّی اللہ علیہ وسلم
خواجۂ گیہاں سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم

جادہ شناسِ منزلِ وحدت جلوہ نمائے نورِ حقیقت
ہادیٔ اکبر مصلحِ اعظم صلّی اللہ علیہ وسلم

خیرِ ممثّل فضلِ مجسّم صورتِ احساں پیکرِ رحمت
آیۂ لطفِ ربّک الاکرم صلّی اللہ علیہ وسلم

ہو گئی اُس پر ختمِ رسالت دیتے گئے ہیں جس کی شہادت
موسیٰ عمراں عیسیٰ مریم صلّی اللہ علیہ وسلم

خیلِ ملک تھا اس کے جلو میں یعنی قضا کا رخش تھا زد میں
تاکہ جہاں ہو درہم برہم صلّی اللہ علیہ وسلم

کہتے ہیں جس کو سطوتِ کسریٰ تھی وہ اِک اس کی مشقِ سبک
گردنِ ہرقل جس سے ہوئی خم صلّی اللہ علیہ وسلم

جیت گئے اسلام کے غازی ہر گئی آخر کفر کی بازی
جھک نہ سکا توحید کا پرچم صلّی اللہ علیہ وسلم

اُس کی غلامی نے ہمیں بخشا تاجِ سکندر فرِّ دارا
کوکبۂ کے مرتبۂ جم صلّی اللہ علیہ وسلم

سب سے جب اونچا پایہ ہے اُس کا اور ترے سر پر سایہ ہے اُس کا
ملّتِ بیضا پھر تجھے کیا غم صلّی اللہ علیہ وسلم

عوارف

خود اپنے دل کے اندر اک جہاں موجود پاتا ہوں
اسی کی سلطنت اچھی، اسی پر اختیار اچھا

اگر دیں سے تمسخر کرنے والے ہی مہذّب ہیں
تو ان تہذیب کے پتلوں سے مجھ جیسا گنوار اچھا

نکل جاتی ہو سچی بات جس کے منہ سے مستی میں
فقیہِ مصلحت بیں سے وہ رندِ بادہ خوار اچھا

عراق اچھا اور اُس کی آرزو اچھی سہی لیکن
وہ پھر بھی نسیہ ہے جس سے کہیں نقدِ بہار اچھا

جسے یورپ کے چوروں نے بھی دیکھا ہو حقارت سے
قبائے زرفشاں سے اُس پھٹی کملی کا تار اچھا

حسینانِ فرنگ اچھے ہیں لیکن آفتِ جاں ہیں
نہ رکھنا ان سے بیر اچھا نہ کرنا ان سے پیار اچھا

مری روزی نہ کی قرق اُس نے میری سرکشی پر بھی
خداوندانِ لندن سے مرا پروردگار اچھا

حیاتِ جاوید

رحمتِ باری کم اپنا جوشش کر سکتی نہیں
یہ چڑھی ندی قیامت تک اُتر سکتی نہیں

زندۂ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ
اُمتِ مرحوم سو سکتی ہے مر سکتی نہیں

سرورِ کونین خود ہوں ناخدا جس کے وہ ناؤ
لطمۂ طوفانِ موج افزا سے ڈر سکتی نہیں

ایشیا کی وہ بساطِ کہنہ اُلٹی جا چکی
بازیٔ اسلام اب دنیا میں ہر سکتی نہیں

میں نے یہ مانا کہ جس پر ہو عتاب انگریز کا
اُس کی دنیا ہند میں رہ کر سنور سکتی نہیں

ٹوٹ لے جب تک نہ سر پر اک نیا کوہِ ستم
ایک بھی رات اُس ستم کش کی گزر سکتی نہیں

ہوں ان ایذاؤں پہ لیکن شیوہ جس کا صبر و شکر
عاقبت بھی کیا اُس انسان کی سُدھر سکتی نہیں؟

میری حرصِ لذتِ آزار کا عالم نہ پوچھ
سر نہ جب تک جائے نیت میری بھر سکتی نہیں

منزلِ خوفِ خدا ہے مومنِ قانت کا دل
ہیبتِ قیدِ فرنگ اس میں اتر سکتی نہیں!

جرم اتنا ہے کہ کیوں حدِ ادب سے بڑھ کے آہ
لب تک آ جاتی ہے اور دل میں ٹھہر سکتی نہیں

رات ہی ایسی تھی جس کا بھول جانا ہے محال
بات ہی ایسی ہے جو دل سے بسر سکتی نہیں

کفر سے مجھ کو ہے لاگ اور دیں سے ہے مجھ کو لگاؤ
کوئی اور الزام دنیا مجھ پہ دھر سکتی نہیں

پانچ سیپاروں کی دولت ہے میرے سینہ میں جمع
جس کو انگریزی حکومت قرق کر سکتی نہیں

میں حرم سے اُڑ کے جا بیٹھوں گا شاخِ سدرہ پر
میرے پر تثلیث کی قینچی کتر سکتی نہیں

تمنّا

خدا اسلام کی دولت اگر دے
تو دامن بھی فراخ اتنا ہی کر دے

اگر ذوقِ مے آشامی دیا ہے
تو ساغر بادۂ یثرب سے بھر دے

بھرے سارے جہاں کا درد اس میں
اگر پہلو کو تکلیفِ جگر دے

غرض جو کچھ بھی دے اسلامیوں کو
بقدرِ رحمتِ خیر البشر دے

عجم جس کا ہو آنگن اور عرب چھت
مسلمانوں کے بسنے کو وہ گھر دے

ترک اور یورپ

گلیڈسٹن یہ حسرت گنج مرقد میں گیا لے کر
کہ یورپ سے نہ نکلے ترک بستر بوریا لے کر

یہی زہراب بھی لائڈ جارج کے زخموں رِستا ہے
یہی داغ اپنی پیشانی پہ بونر لا مرا لے کر

قدم بڑھ کر لئے عثمانیوں کے فتح و نصرت نے
بڑھے جب ہاتھ میں جھنڈا رسول اللہ کا لے کر

شہیدوں کے سروں کی قیمت آزادی کی دولت ہے
خود آیا سر کے بل مقتل میں قاتل خوں بہا لے کر

بجز اپنے سے منہ کے یا مسلمانوں کی نفریں کے
گئے انگریز قسطنطنیہ کی گلیوں سے کیا لے کر

مسلماں ہے تو دنیا میں خدا کا نور پھیلا دے
حریمِ خواجۂ یثرب کی مٹی کا دیا لے کر

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر